اہل سنت کون؟

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

امام ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم رحمہ اللہ (م ۳۲۷ھ) بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد (امام ابو حاتم رحمہ اللہ م ۲۷۷ھ) اور امام ابو زرعہ رحمہ اللہ (م ۲۶۴ھ) سے اصولِ دین (عقائد) میں اہل سنت کے مذہب کے بارے میں دریافت کیا، نیز پوچھا کہ انہوں نے تمام علاقوں کے علمائے کرام کا کیا عقیدہ دیکھا ہے، اس پر ان دونوں نے فرمایا:

''ہم نے حجاز و عراق، مصر و شام اور یمن تمام علاقوں کے علمائے کرام کو دیکھا ہے، (عقیدے میں) ان سب کا مذہب یہ تھا کہ ایمان (دل و زبان) کے قول اور (دل و اعضاء کے) عمل کا نام ہے، ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے، قرآن اللہ کی کلام ہے، کسی اعتبار سے بھی مخلوق نہیں، اچھی و بری دونوں طرح کی تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس امت میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے بہتر شخص سیدنا ابو بکر صدیق ہیں، پھر بالترتیب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں، یہی ہدایت یافتہ خلفائے راشدین ہیں، نیز وہ دس صحابہ جن کا نام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی خوشخبری دی، وہ اسی گواہی کے مطابق (جنتی) ہی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان حق ہے، (اہل سنت کا عقیدہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ کے لیے رحمت کی دعا کرنا اور ان کے درمیان ہونے والے اختلافات سے اپنی زباں بندی کرنا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر (بلند) اور اپنی مخلوق سے جدا ہے، جس طرح کہ اس نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کی زبان کے ذریعے بغیر کیفیت بیان کیے بتایا ہے، اس نے ہر چیز کا علم کے ذریعے احاطہ کر رکھا ہے، اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے، آخرت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہوگا اور اہل جنت اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے، وہ جب چاہے اور جیسے چاہے کلام فرماتا ہے، جنت و جہنم حق ہیں اور دونوں مخلوق ہیں، کبھی فنا نہ ہوں گی، جنت تو اولیاء اللہ کے لیے جزا ہے، جبکہ جہنم اللہ کے نافرمانوں کے لیے سزا ہے، مگر جس کو وہ اپنی رحمت (سے معاف کر) دے، پل صراط اور وہ میزان بھی حق ہے جس کے دو پلڑے ہوں گے جن میں بندوں کے نیک و بد اعمال تولے جائیں گے، نیز وہ حوض بھی حق ہے جس کے ساتھ ہمارے نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نوازے گئے ہیں، شفاعت حق ہے اور یہ بھی حق ہے کہ (موحد) لوگ شفاعت کے ذریعے جہنم سے نکالے جائیں گے، عذاب قبر، منکر و نکیر، اعمال لکھنے والے معزز فرشتے اور موت کے بعد زندہ کیا جانا سب چیزیں حق ہیں، کبیرہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والے اللہ تعالیٰ کی مشیئت میں ہیں (جیسے وہ چاہے ان سے سلوک کرے)، ہم (کبیرہ) گناہوں کی وجہ سے اہل قبلہ کو کافر قرار نہیں دیتے، بلکہ ان کے مخفی اعمال کو اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔'' (کتاب اصل السنة واعتقاد الدین لابن ابی حاتم)

جاری ہے۔۔۔۔

ماہنامہ **السنة** جہلم

شمارہ نمبر 8 جمادیٰ ثانیہ 1430ھ، جون 2009ء

1۔	کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں (۳)	غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری	2
2۔	ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا	غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری	7
3۔	عورتوں کا مسجد میں جانا جائز ہے	حافظ ابو یحییٰ نور پوری	22
4۔	قبر پر اذان کی شرعی حیثیت	غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری	38
5۔	کیا نمازِ جنازہ میں ہر تکبیر پر رفع الیدین کیا جائے گا؟	غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری	43

کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں (۳)

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

حدیث دین ہے، جیسا کہ امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هذا الحديث دين ، فانظروا عمّن تأخذون دينكم .

''یہ حدیث دین ہے، لہٰذا دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے لے رہے ہو۔''

(الشمائل للترمذی : ٤١٧، وسندهٗ صحيح)

حدیث بیانِ قرآن ہے، کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں، کیونکہ یہ دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، اس لیے ان میں تعارض نہیں، فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا☆﴾(النساء : ٨٢)

''کیا وہ قرآن کریم پر غور نہیں کرتے اور اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بڑا اختلاف دیکھتے۔''

مشہور سنّی مفسر امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

انّ الّذی أتيتهم به من التّنزيل من عند ربّهم لاتّساق معانيه وائتلاف أحكامه وتأييد بعضه بعضا بالتّصديق وشهادة بعضه لبعض بالتّحقيق ، فانّ ذالک لو كان من عند غير اللّٰه لاختلفت أحكامه وتناقضت معانيه وأبان بعضه عن فساد بعض .

''یقیناً وہ وحی جو آپ ان کے پاس ان کے رب کے پاس سے لائے ہیں تاکہ اس کے معانی کو بیان کریں، اس کے احکام کو جوڑیں، بعض آیات بعض کی تصدیق کریں اور بعض بعض کے حق ہونے کی گواہی دیں، اگر یہ اللہ کے علاوہ کسی اور کی طرف سے ہوتی تو اس کے احکام مختلف ہو جاتے، اس کے معانی متناقض ہو جاتے اور ایک دوسرے کی خرابی واضح کرتے۔'' (تفسیر طبری : ١٧٩/٥)

قرآنِ مجید میں حقیقی اختلاف وتعارض اس لیے نہیں ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے، اس بات کی تصدیقِ جازم حدیث ان الفاظ سے کرتی ہے، سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں:

لقد جلست أنا وأخي مجلسا ، ما أحبّ أنّ لي به حمر النّعم ، أقبلت أنا وأخي ، واذا

مشيخة من صحابة رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم جلوس عند باب من أبوابه ، فكرهنا أن نفرّق بينهم ، فجلسنا حجرة ، اذ ذكروا آية من القرآن ، فتماروا فيها ، حتى ارتفعت أصواتهم ، فخرج رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم مغضبا ، قد احمرّ وجهه ، يرميهم بالتّراب ، ويقول : مهلا يا قوم ! بهذا أهلكت الأمم من قبلكم باختلافهم على أنبيائهم وضربهم الكتب بعضها ببعض ، انّ القرآن لم ينزل يكذّب بعضها بعضا ، فما عرفتم منه فاعملوا به ، وما جهلتم منه فردّوه الى عالمه .

''میں اور میرا بھائی ایک مجلس میں بیٹھے، میرے لیے اگر اس کے بدلے میں سرخ اونٹ بھی ہوں تو میں پسند نہ کروں ، میں اور میرا بھائی آئے تو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے کئی ایک مشائخ مسجد کے دروازوں میں سے ایک دروازے پر بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے ان کے درمیان فاصلہ کرنا مناسب نہ سمجھا، ہم ایک حجرہ میں بیٹھ گئے ، انہوں نے قرآنِ کریم کی ایک آیت پڑھی ، پھر اس کے بارے میں اختلاف کرنے لگے یہاں تک کہ ان کی آوازیں بلند ہوگئیں ، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے ، آپ کا چہرہ مبارک سرخ ہو چکا تھا، آپ ان پر مٹی پھینک رہے تھے اور فرما رہے تھے، اے قوم ! تم سے پہلی امتیں اپنے انبیاء پر اختلاف کرنے اور اپنی کتابوں کے بعض حصے کو بعض کے ساتھ ٹکرانے کی وجہ سے ہی تو ہلاک ہوئی تھیں، قرآن اس طرح نازل نہیں ہوا کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصے کو جھٹلائے ، بلکہ اس کا بعض حصہ دوسرے حصہ کی تصدیق کرتا ہے، تم اس میں سے جو سمجھ لو اس پر عمل کرو اور جس کو نہ سمجھ پاؤ اس کو اس کے جاننے والے کی طرف لوٹا دو۔'' (مسند الامام احمد : ۱۸۱/۲، ح : ۶۷۰۲، وسندهٗ صحيح ، صحيح مسلم : ۲۶۶۶ مختصراً)

ایک روایت میں ہے:

فقال بعضهم : ألم يقل اللّٰه كذا وكذا ؟ وقال بعضهم : ألم يقل اللّٰه كذا وكذا ؟ ....

''ان صحابہ میں سے کچھ نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے نہیں فرمایا؟ اور دوسروں نے کہا، کیا اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے نہیں فرمایا؟ ۔۔۔۔'' (مسند الامام احمد : ۱۹۶/۲)

جب حدیث قرآنِ مجید کی تصدیق کرتی ہے اور اس کے تعارض کی نفی کرتی ہے تو خود اس کے معارض و مخالف کیسے ہوسکتی ہے؟ بلکہ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ حدیث حق ہے، حق ہمیشہ حق کی تصدیق کرتا ہے، حق کبھی حق کے مخالف و معارض نہیں ہوسکتا، اس پر سہاگہ یہ کہ قرآن نے حدیث کی حقانیت و حجیت کی نفی نہیں کی ،

نہ ہی حدیث کے وحی ہونے یا منزل من اللہ ہونے کی نفی کی ہے، حدیث نے قرآنِ مجید کو وحی تسلیم کیا ہے، نیز یہ بھی بتایا ہے کہ اگر قرآنِ کریم کے مفہوم میں کوئی اشکال واشتباہ واقع ہو تو قرآن کے عالم سے پوچھ لو، علمائے حق تو قرآن وحدیث کے بارے میں یہ کہتے ہیں: ﴿اٰمَنَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾(آل عمران : ۷)

''ہم اس پر ایمان لائے، سب کچھ ہمارے رب کی طرف سے ہے۔''

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

فهذا الحديث ونحوه ممّا ينهى فيه عن معارضة حقّ بحقّ ، فانّ ذالک يقتضى التّكذيب بأحد الحقّين أو الاشتباه والحيرة ، والواجب التّصديق بهذا الحقّ ، وهذا الحقّ فعلى الانسان أن يصدّق بالحقّ الأذى يقوله غيره ، كما يصدّق بالحقّ الّذى يقوله هو ، ليس له أن يومن بمعنى آية استدلّ بها ، ويردّ معنى آية استدلّ بها مناظره ، ولا أن يقبل الحقّ من طائفة ، ويردّه من طائفة أخرىٰ .

''یہ اور اس طرح کی دوسری احادیث حق کو حق کے ساتھ معارض قرار دینے سے منع کرتی ہیں، کیونکہ یہ معارضہ دو حقوں میں سے ایک حق کی تکذیب کا یا اشتباہ کا یا پریشانی کا تقاضا کرتا ہے، حالانکہ اس حق کی تصدیق واجب ہے، لہٰذا انسان پر لازم ہے کہ وہ دوسرے کے کہے گئے حق کی بھی اسی طرح تصدیق کرے جس طرح کہ اپنے کہے گئے حق کی تصدیق کرتا ہے، اس کے لیے یہ جائز نہیں کہ جس آیت کے معنیٰ سے خود استدلال کرے اس کی تو تصدیق کرے، جبکہ اس آیت کے معنیٰ کو رد کر دے جس سے اس کا مقابل استدلال کرے، نہ ہی یہ جائز ہے کہ ایک گروہ سے حق کو قبول کرے اور دوسرے گروہ کی طرف سے آنے والے حق کو رد کر دے۔'' (درء تعارض العقل والنقل : ۸/۴۰۴)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

....وأن يعلم أنّ أحكام اللّٰه ، ثمّ أحكام رسوله لا تختلف ، وأنّها تجرى على مثال واحد .

''یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام میں اختلاف نہیں ہوتا، بلکہ وہ ایک ہی انداز میں ہوتے ہیں۔'' (الرسالة للشافعی : ۱۷۳)

علامہ ابنِ حزم رحمہ اللہ اس مسئلہ میں قرآنی دلائل ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وصحّ بما ذكرنا بطلان قول من ضرب القرآن بعضه ببعض ، أو ضرب الحديث الصّحيح

بعضه ببعض ، أو ضرب القرآن والحديث بعضها ببعض .

''ہم نے جو دلائل ذکر کیے ہیں، ان سے ثابت ہو گیا ہے کہ جو شخص قرآن کی آیات کا آپس میں، یا صحیح احادیث کا آپس میں یا قرآنِ کریم اور حدیث کا آپس میں تعارض پیدا کرتا ہے، اس کا قول باطل ہے۔''

(الاحکام : ۱۱۲/۱)

حافظ ابنِ قیّم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأصول الشّرع لا يضرب بعضها ببعض ، كما نفىٰ رسول الله صلّى الله عليه وسلّم عن أن يضرب كتاب الله بعضه ببعض ، بل يجب اثباتها كلّها ، ويقرّ كل منها على أصله وموضعه ، فانّها كلّها من عند الله الذى أتقن شرعه وخلقه ، وما عدا هذا فهو الخطأ الصّريح .

''شریعت کے اصولوں کو ایک دوسرے سے متعارض قرار نہیں دینا چاہیے، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو قرآن سے متعارض قرار دینے سے منع فرما دیا ہے، بلکہ سب کا اثبات واجب ہے، ہر ایک اپنی جگہ ثابت ہے، کیونکہ سب کچھ اس اللہ کی طرف سے ہے، جس نے اپنی شریعت و تخلیق بہت پختہ کی ہوئی ہے، اس کے علاوہ جو بھی (نظریہ) ہے، وہ واضح غلطی ہے۔'' (اعلام الموقعین : ۳۸/۲)

قرآن کو حجت ماننا اور حدیث کو نہ ماننا اللہ و رسول کے درمیان تفریق ہے، بعض پر ایمان اور بعض کے ساتھ کفر کا مصداق ہے، ایمان کے تقاضوں کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ﴾ (النساء : ۱۵۲)

''اور وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے، اور ان کے درمیان تفریق نہیں ڈالی۔''

الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **وهذا يقتضى الايمان بكلّ ما أخبر اللّٰيه به عن نفسه و بكلّ ما جاء ت به الرّسل من الأخبار والأحكام .**

''یہ فرمانِ باری تعالیٰ تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو بھی خبر خود اپنے بارے میں دی ہے اور جو اخبار و احکام رسول لے کر آئے ہیں، ان سب پر ایمان لایا جائے۔''

(تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان : ۲۱۰/۲، بتحقیق محمد زهری النجار)

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ☆﴾ (النحل : ٤٤) ''اور ہم نے یہ ذکر (قرآن) آپ کی طرف اس لیے نازل کیا ہے تاکہ آپ ان کی طرف نازل کی گئی وحی کی وضاحت کریں اور تاکہ وہ غور و فکر کریں۔''

امام شافعی فرماتے ہیں: **انّ اللّٰہ عزّوجلّ وضع نبیّہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی کتابہ ودینہ بالموضع الّذی أبان فی کتابہ ، فالفرض علی خلقہ أن یکونوا عالمین بأنّہ لا یقول فیما أنزل علیہ الّا بما أنزل علیہ ، وانّہ لا یخالف کتاب اللّٰہ ، وأنّہ بیّن عن اللّٰہ عزّوعلا معنیٰ ما اراد اللّٰہ.**

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے دین میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ مرتبہ دیا ہے جو خود قرآن میں بیان کر دیا ہے، لہٰذا مخلوق پر یہ جان لینا فرض ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نازل شدہ وحی (قرآن) کے بارے میں نازل شدہ وحی (حدیث) سے ہی بولتے ہیں، نیز آپ کتاب اللہ کی مخالفت نہیں فرماتے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مراد کو واضح کرتے ہیں۔'' (جماع العلم : ص ۱۱۸)

معلوم ہوا کہ کوئی صحیح حدیث قرآن کے مخالف نہیں، کیونکہ قرآن کی تفسیر وتبیین اور تشریح وتوضیح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہے، حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی مراد ہے، نیز رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان قرآن کا بیان ہے۔

ہم پہلے بھی کئی بار عرض کر چکے ہیں کہ قرآن وحدیث میں ظاہری تعارض ومخالفت موجود ہے، حقیقت میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ حقیقت میں تعارض، تناقض ہوتا ہے، اس سے دو باتوں میں سے ایک کا جھوٹا ہونا لازم آتا ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حق میں جھوٹ ناممکن ہے، جو لوگ صحیح حدیث کو حقیقت میں قرآن کے مخالف ومعارض سمجھتے ہیں، ان سے پوچھا جائے کہ وہ حدیث کو کیا حیثیت دیتے ہیں؟ اگر وہ حدیث کو حق کہیں تو سوال یہ ہوگا کہ حق حق کے ساتھ حقیقت میں متعارض ہوسکتا ہے؟ نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ صحیح حدیث کو حقیقت میں قرآن کے مخالف تسلیم کر کے درحقیقت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کر رہے ہیں۔

علامہ شاطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

أدلّۃ الشّرع لا تتعارض فی نفس الأمر ، ولذلک لا تجد البتّۃ دلیلین أجمع المسلمون عن تعارضھما ، بحیث وجب علیھم الوقوف ، لکن قد یقع التّعارض فی فھم النّاظرین .

''شریعت کے دلائل حقیقت میں باہم متعارض نہیں ہوتے، اسی لیے آپ کوئی ایسی دو دلیلیں نہیں پائیں گے جن کے متعارض ہونے پر مسلمانوں کا اس طرح اجماع ہو گیا ہو کہ ان پر توقف واجب ہو جائے، البتہ بسا اوقات دیکھنے والوں کے فہم میں تعارض واقع ہو جاتا ہے۔'' (الموافقات للشاطبی : ۲۹٤/٤)

☆☆.....☆☆.....☆☆

ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا

غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری

دینِ اسلام نے اصول واحکام اور تہذیب ومعاشرت کے بارے میں واضح رہنمائی فرمائی ہے، باپ بیٹی جیسے مقدس رشتے کے حقوق سے بھی شناسا کیا، بیٹی عزت ہوتی ہے، جب وہ اپنے باپ کی اجازت کے بغیر شادی رچا لیتی ہے تو لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کی عزت فرار ہوگئی ہے، ایسا باپ شرم سے زمین میں گڑ جاتا ہے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی دہلیز سے باہر قدم رکھنا اپنے لیے باعثِ ذلت ورسوائی سمجھتا ہے۔

اسلام بھلا اپنے ماننے والوں کی ذلت کب برداشت کرسکتا ہے؟ اسی لیے اس نے ایسی عورت کی نکاح کو کالعدم قرار دیا جو ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرلے، لیکن افسوس کہ اسلام کا نام لے کر اسلام کو رسوا کرنے والوں نے جہاں اور بہت سے اوچھے ہتھکنڈے اپنائے، وہاں ایک کوشش یہ بھی کی کہ کسی طریقے سے ولی کی اجازت کو نکاح سے نکال باہر کیا جائے تاکہ بے حیائی آسانی سے اسلامی معاشرے میں سرایت کر جائے۔

آیئے نکاح میں ولی کی اجازت شرط ہونے کے بارے میں اسلامی تعلیمات اور اس کے خلاف دی جانے والی دلیلوں کا منصفانہ جائزہ لیتے ہیں:

دلیل نمبر ۱ : فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ (البقرۃ: ۲۳۲) ''اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو، پھر وہ اپنی مقررہ عدت کو پہنچ جائیں تو ان کو اپنے خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو۔''

یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلیل ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح درست نہیں، اس آیت میں اولیاء کو خطاب ہے، اس سے عورت کے نکاح میں ان کا اختیار اور حق ثابت ہوتا ہے۔

مشہور سنّی مفسر امام ابوجعفر ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ (م ۳۱۰ھ) اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''اس آیتِ کریمہ میں واضح دلالت ہے کہ ان لوگوں کی بات صحیح ہے جو کہتے ہیں کہ عصبہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، کیونکہ اگر عورت نکاح کرنا چاہے تو اس کو روکنے سے اللہ تعالیٰ نے ولی کو منع فرما دیا ہے، اگر عورت بغیر ولی کے خود اپنا نکاح کرسکتی ہوتی یا جسے چاہے اپنا ولی بنا سکتی ہوتی تو اس کے ولی کو نکاح

کے سلسلے میں اسے روکنے کی ممانعت کا کوئی معنیٰ مفہوم نہیں، کیونکہ اس صورت میں ولی کے پاس عورت کو روکنے کا کوئی راستہ ہی نہیں، اس لیے کہ وہ جب چاہتی خود اپنا نکاح کر لیتی یا جسے وہ خود اپنا ولی بناتی وہ اس کا نکاح کر دیتا (اصلی ولی کو منع کرنے کا کوئی مطلب ہی نہ ہوتا)۔'' (تفسیر طبری : ٤٨٨/٢)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ (م ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں: **وفیها دلالة علی أنّ المرأة لا تملک أن تزوّج نفسها ، وأنّاه لا بدّ فی النّکاح من ولی ، کما قال التّرمذی وابن جریر عند هذه الآیة .**

''اس آیت میں دلیل ہے کہ عورت خود اپنا نکاح نہیں کر سکتی، بلکہ نکاح کے لیے ولی کا ہونا ضروری ہے، یہی بات امام ترمذی اور امام ابنِ جریر رحمہما اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں کہی ہے۔''

(تفسیر ابن کثیر ٥٦٤/١-٥٦٥، بتحقیق عبدالرزاق المهدی)

اس آیتِ کریمہ کی وضاحت اس حدیث سے ہوتی ہے، سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

کانت لی أخت تخطب الیّ ، فأتانی ابن عمّ لی ، فأنکحتها ایّاه ، ثمّ طلّقها طلاقا له رجعة ، ثمّ ترکها حتی انقضت عدّتها ، فلمّا خطبت الیّ ، أتانی یخطب ، فقلت ، لا واللّٰه ! لا أنکحها أبدا، قال : ففی نزلت هذه الآیة : ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ الآیة ، قال : فکفّرت عن یمینی ، فأنکحتها ایّاه .

''میری طرف میری ایک بہن سے نکاح کے لیے پیغام آئے، میرا ایک چچا زاد بھی آیا، میں نے اس سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا، پھر اس نے اسے رجعی طلاق دے دی، پھر اس کو چھوڑ دیا حتی کہ اس کی عدت پوری ہوگئی، جب میری طرف (دوسرے لوگوں کی طرف سے) نکاح کے پیغام آنے لگے تو وہ بھی نکاح کا پیغام لے کر آ گیا، میں نے کہا نہیں، اللہ کی قسم! میں کبھی اپنی بہن کا نکاح تجھ سے نہیں کرے گا، میرے بارے میں ہی یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ الآیة ()، پھر میں نے اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا اور اسی سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا۔''

(صحیح بخاری : ٧٧٠/١، ح : ٥١٣٠، سنن ابی داوٗد : ٣٠٨٧، واللفظ له ، سنن الترمذی : ٢٩٨١)

امام ترمذی رحمہ اللہ (۲۰۰-۲۷۹ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

وفی هذا الحدیث دلالة علی أنّه لا یجوز النّکاح بغیر ولی ، لأنّ أخت معقل بن یسار کانت ثیّبا ، فلو کان الأمر الیها دون ولیّها لزوّجت نفسها ولم تحتج الی ولیّها معقل بن یسار ، وانّما خاطب اللّٰه فی هذه الآیة الأولیاء ، فقال : ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ یَّنْکِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ ففی هذه

الآية دلالة على أنّ الأمر الى الأولياء فى التّزويج مع رضاهن .

''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ بغیر ولی کے نکاح جائز نہیں، کیونکہ سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی بہن ثیبہ (طلاق یافتہ) تھی، اگر معاملۂ نکاح اسی کے ہاتھ میں ہوتا تو وہ خود اپنا نکاح کر لیتی اور اپنے ولی سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی محتاج نہ ہوتی، اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ولیوں سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے: ﴿فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ﴾ (ان کو اپنے سابقہ خاوندوں سے نکاح کرنے سے نہ روکو)، لہٰذا اس آیت سے معلوم ہوا کہ معاملۂ نکاح ولیوں کے ہاتھ میں ہے، ہاں عورتوں کی رضامندی ضروری ہے۔'' (سنن ترمذی، تحت حدیث: ۲۹۸۱)

علامہ شوکانی رحمہ اللہ (۱۱۷۳۔۱۲۵۰ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں:

''یہ حدیث دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کا ہونا شرط ہے، اگر یہ شرط نہ ہوتی تو مرد کی عورت میں اور عورت کی مرد میں دلچسپی کافی ہو جاتی، اسی حدیث کے ذریعے اس قیاس کا بھی رد ہو جاتا ہے جس قیاس کے ذریعے امام ابوحنیفہ نے ولی کی اجازت کی شرط کے نہ ہونے پر حجت لی ہے، انہوں نے نکاح کو بیع (خرید و فروخت) پر قیاس کیا ہے، اس طرح کہ اس معاملے میں عورت اس معاملے میں خود مختار ہے، ولی کی ضرورت نہیں اور یہی معاملہ نکاح کا ہے، انہوں نے ولی کی اجازت نکاح کے لیے شرط ہونے پر دلالت کرنے والی احادیث کو چھوٹی بچی پر محمول کیا ہے اور اس قیاس کے ذریعے ان احادیث کے عموم کو خاص کیا ہے، لیکن یہ قیاس فاسد ہے، سیدنا معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کے مقابلے میں اس کا کوئی اعتبار نہیں۔'' (نیل الاوطار: ۱۹۷/٤)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ (۷۷۳۔۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:

''نکاح میں ولی کی اجازت کی شرط ہونے میں علماء نے اختلاف کیا ہے، جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ولی کی اجازت نکاح کے لیے شرط ہے، ان کا کہنا ہے کہ عورت قطعاً اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی، انہوں نے مذکورہ احادیث کو دلیل بنایا ہے، ان میں سے قوی ترین دلیل وہ سببِ نزول ہے جو اس آیتِ کریمہ کے بارے میں مذکور ہے اور یہ ولی کی اجازت شرط ہونے پر صریح ترین دلیل ہے، ورنہ ان (سیدنا معقل رضی اللہ عنہ) کے روکنے کے کوئی معنیٰ نہیں، نیز یہ کہ اگر وہ عورت خود نکاح کر سکتی ہوتی تو اپنے بھائی کی محتاج نہ ہوتی اور جو اپنے معاملے میں خود مختار ہو، اس کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کسی نے اس کو اس کام سے روک دیا ہے، امام ابن المنذر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ اس بارے میں کسی صحابی کا اختلاف ان کے علم میں نہیں۔''

(فتح الباری : ۱۸۷/۹)

دلیل نمبر ۲ : فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (النساء : ۲۵) ''تم ان کے گھر والوں کی اجازت کے ساتھ ان سے نکاح کرو اور ان کو معروف طریقے سے ان کے حق مہر ادا کرو۔''

امام ابنِ جریر طبری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ بِاِذْنِ اَهْلِهِنّ﴾ باذن أربابهن وأمرهم ایّاکم بالنّکاح ورضاهم .

''یعنی ان عورتوں کے سرپرستوں کی اجازت، نکاح کے بارے میں ان کے حکم اور رضامندی سے (نکاح کرو)۔'' (تفسیر ابن جریر : ۱۹/٤)

دلیل نمبر ۳ : اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ (البقرة : ۲۲۱) ''اور تم (اپنی عورتوں کا) مشرکین سے نکاح نہ کرو تا آنکہ وہ ایمان لے آئیں۔''

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیتِ کریمہ سے استدلال کیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ووجه الاحتجاج من الآیة والتی بعدها أنّه تعالیٰ خاطب بالنّکاح الرّجال ولم یخاطب به النّساء ، فکأنّه قال : لا تنکحوا أیّها الأولیاء مولیاتکم للمشرکین .

''اس آیت اور بعد والی آیت سے وجۂ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نکاح کے بارے میں مردوں کو مخاطب کیا ہے، عورتوں کو نہیں، گویا کہ یوں فرمایا ہے کہ اے ولیو! تم اپنی زیرِ ولایت عورتوں کا مشرکین سے نکاح نہ کرو۔'' (فتح الباری : ۱۸٤/۹)

دلیل نمبر ٤ : فرمانِ الٰہی ہے: ﴿وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ﴾ (النور : ۳۲) ''اور اپنے میں سے بے نکاح مردوں عورتوں کا نکاح کرو۔''

اس آیتِ کریمہ سے بھی امام بخاری نے ثابت کیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں۔

قرآنی دلائل کے بعد حدیثی دلائل ملاحظہ ہوں:

دلیل نمبر ۱ : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا دورِ جاہلیت میں نکاح کی چار صورتیں بیان کرتی ہوئی فرماتی ہیں: انّ النّکاح فی الجاهلیة کان علیٰ اربعة أنحاء ، فنکاح منها نکاح النّاس

اليوم ، يخطب الرّجل الى الرّجل وليته أو ابنته ، فيصدقها ، ثمّ ينكحها .....فلمّا بعث محمّد صلّى اللّٰه عليه وسلّم بالحقّ هدم نكاح الجاهليّة كلّه الّا نكاح النّاس اليوم .

''دورِ جاہلیت میں نکاح کے چار طریقے تھے، ان میں سے ایک تو وہی ہے جو آج لوگ اختیار کرتے ہیں، یعنی ایک آدمی دوسرے آدمی کی طرف اس کی زیرِ ولایت عورت یا بیٹی کے بارے میں پیغامِ نکاح بھیجتا، پھر اس عورت کو حق مہر دے کر اس سے نکاح کر لیتا۔۔۔۔ جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق دے کر مبعوث فرمائے گئے تو آپ نے جاہلیت کے سارے نکاح ختم کر دیئے سوائے اس نکاح کے جو لوگ آج کرتے ہیں۔''

(صحیح بخاری : ۷۶۹/۲، ح : ۵۱۲۷)

امامِ بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث میں موجود الّا نكاح النّاس اليوم کے الفاظ سے ثابت کیا ہے کہ ولی کی اجازت نکاح میں ضروری ہے، کیونکہ جس نکاح کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برقرار رکھا ہے، اس کا انداز سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہی بیان کیا ہے کہ ولی خود عورت کا نکاح کرے۔

دلیل نمبر ۲ : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ یہ فرمانِ باری تعالیٰ:

﴿وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ﴾(النساء : ۱۲۷) ''اور وہ (بھی فتویٰ دیتا ہے تم کو) ان کی بابت جو پڑھا جاتا ہے تم پر کتاب میں یتیم لڑکیوں کے بارے میں جنہیں تم ان کے مقرر کردہ حق مہر ادا نہیں کرتے اور تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت نہیں رکھتے۔''

ایسی یتیم لڑکی کے بارے میں نازل ہوا جو کسی ایسے آدمی کے پاس ہو جس کے مال میں وہ شریک ہو، وہ آدمی اس لڑکی سے نکاح کا زیادہ مستحق ہے، لیکن وہ اس سے نکاح کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتا اور اسے دوسروں سے نکاح کرنے سے بھی روکتا ہے، اس ڈر سے کہ کہیں کوئی اس کے مال میں شریک نہ ہو جائے۔''

(صحیح بخاری : ۷۷۰/۱، ح : ۵۱۲۸)

دلیل نمبر ٤ : سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

انّ عمر حين تأيّمت حفصة بنت عمر من ابن حذافة السّهمي وكان من أصحاب النّبي صلّى اللّٰه عليه وسلّم من أهل بدر توفّى بالمدينة ، فقال عمر : لقيت عثمان بن عفّان ، فعرضت عليه ، فقلت : ان شئت أنكحتك حفصة ، فقال : سأنظر في أمري ، فلبثت ليالي ، ثمّ لقيني ، فقال : بدا لي أن لّا أتزوّج يومي هذا ، قال عمر : فلقيت أبا بكر ، فقلت : ان شئت أنكحتك حفصة . ''جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے خاوند سیدنا ابنِ حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ

جو کہ بدری صحابی تھے، مدینہ میں فوت ہو گئے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان کو پیشکش کی، میں نے کہا، اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں، انہوں نے فرمایا، میں اپنے میں غور و فکر کروں گا (پھر بتاؤں گا)، میں کچھ راتیں ٹھہر گیا، پھر عثمان رضی اللہ عنہ مجھے ملے اور فرمایا، میری سمجھ میں یہ بات آئی ہے کہ میں اس وقت شادی نہ کروں، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ پھر میں سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملا اور کہا، اگر آپ چاہیں تو میں حفصہ کا نکاح آپ سے کر دوں (آخر ان کا نکاح نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور انہیں ام المومنین بننے کا شرف حاصل ہو گیا)۔''

(صحیح بخاری : ۷۷۰/۱، ح : ۵۱۲۹)

ان دونوں حدیثوں سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح جائز نہیں ہے، کیونکہ پہلی حدیث میں نکاح سے روکنے کی نسبت ولی کی طرف کی گئی ہے اور اس بات کو ناجائز قرار دیا گیا ہے، اگر اسلام میں ولی کے پاس عورت کو نکاح سے روکنے کی اتھارٹی ہے ہی نہیں تو اس آیت کے نزول کا کوئی مقصد نہ ہوا، حالانکہ ایسا قطعاً نہیں۔

دوسری حدیث میں بھی واضح ہے کہ باوجود بیوہ ہونے کے سیدہ حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہما کے نکاح کا انتظام ان کے ولی یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہا، نیز ان شئت أنكحتك حفصة (اگر آپ چاہیں تو میں آپ سے حفصہ کا نکاح کر دوں) کے الفاظ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت کے ضروری ہونے پر صریح ہیں، کیونکہ اگر ولی کو کوئی اختیار نہ ہو تو اس کی طرف نکاح کی نسبت کرنا لغت و عقل دونوں کے خلاف ہے۔

دلیل نمبر ٤ : سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لا نكاح الّا بولیّ . ''ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔''

(المستدرك للحاكم : ۱۷۳/۲، ح : ۲۷۱۷، وسندهٗ حسن والحديث صحيح)

اس حدیث کو امام ابن الجارود (۷۰۲)، امام ابن حبان (۴۰۸۳)، امام علی بن المدینی (المستدرک للحاکم : ۱۷۰/۲، السنن الکبریٰ للبیہقی : ۱۰۸/۷)، امام ذہبی (المستدرک للحاکم : ۱۷۰/۲) اور امام حاکم رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **هذا حديث حسن صحيح** .(تخريج احاديث المختصر : ۳۷۱/۲۔۳۷۲)

یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔

امیر صنعانی فرماتے ہیں: **والحدیث دلّ علی أنّه لا یصحّ النّکاح الّا بولیّ ، لأنّ الأصل فی النّفی نفی الصّحّة لا الکمال .**

''یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں، کیونکہ نفی میں اصل صحت کی نفی ہوتی ہے نہ کہ کمال کی نفی۔'' (سبل السلام : ۱۱۷/۳)

دلیل نمبر ۵ : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ایّما امرأة نکحت بغیر اذن ولیّها فنکاحها باطل ، فنکاحها باطل ، فنکاحها باطل ، فان دخل بها فلها المهر بما استحلّ من فرجها ، فان اشتجروا فالسّلطان ولیّ من لّا ولیّ له .

''جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کرتی ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اس کا نکاح باطل ہے، اگر مرد اس کے ساتھ دخول کر لیتا ہے تو اس عورت کو مرد کی طرف سے شرمگاہ کو حلال کرنے کے عوض حق مہر ملے گا اور اگر (باپ نہ ہو اور) ان (دوسرے ولیوں) میں اختلاف ہو جائے تو حاکم وقت اس کا ولی ہے جس کا کوئی ولی نہیں ہے۔'' (مسند اسحاق : ٤٩٩، مسند الامام احمد : ١٦٥/٦-١٦٦، مسند الحمیدی : ٢٢٨، مسند الطیالسی (منحة : ٣٠٥/١)، سنن ابی داؤد : ٢٠٨٣، سنن ابن ماجه : ١٨٧٩، سنن ترمذی : ١١٠٢، السنن الکبریٰ للنسائی : ٥٣٩٤، مسند ابی یعلیٰ : ٢٠٨٣، سنن الدارقطنی : ٢٢١/٣، السنن الکبریٰ للبیهقی : ١٠٥/٧، وسندهٗ حسن)

اس حدیث کو امام ترمذی اور حافظ ابن عساکر (معجم الشیوخ: ۲۳۴) رحمہما اللہ نے ''حسن''، جبکہ امام ابن الجارود (۷۰۰)، امام ابو عوانہ (۴۲۵۹)، امام ابن خزیمہ (فتح الباری : ۹ /۱۹۱)، امام ابن حبان (۴۰۷۴، ۴۰۷۵)، حافظ بیہقی (السنن الکبریٰ: ۱۰۷/۷)، حافظ ابن الجوزی (التحقیق: ۲۵۵/۲) اور امام حاکم رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **لیس یصحّ فی هذا شیء الّا حدیث سلیمان بن موسیٰ .**

''اس (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہ کی حدیث) میں صرف سلیمان بن موسیٰ کی حدیث صحیح ہے۔''

(التاریخ لابن معین بروایة الدوری : ٢٣٦/٢، الکامل لابن عدی : ١١١٥/٣، السنن الکبریٰ للبیهقی : ١٠٧/٧)

حافظ ابو موسیٰ المدینی کہتے ہیں: **هذا حدیث ثابت مشهور یحتجّ به .**

''یہ ثابت شدہ اور مشہور قابلِ حجت حدیث ہے۔'' (اللطائف : ٥٥٦، ٥٨٦، ٦٠٦)

حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اس کو ''حسن'' کہا ہے۔ (تخریج احادیث المختصر : ٢٠٥/٢)

حافظ بیہقی رحمہ اللہ اس حدیث کے راویوں کے بارے لکھتے ہیں:

وکلّھم ثقة حافظ . ''یہ سب ثقہ حافظ ہیں۔'' (معرفة السنن والآثار : ۲۹/۱۰)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وھذا حدیث جلیل فی ھذا الباب ((لا نکاح الّا بولیّ)) ، وعلی ھذا الاعتماد فی ابطال نکاح بغیر ولیّ .**

''ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا، اس بارے میں یہ حدیث عظیم الشان ہے اور بغیر ولی کے نکاح کو باطل قرار دینے پر اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔'' (الکامل لابن عدی : ۱۱۱۵/۳، وفی نسخة : ۲٦٦/۳)

امام ابنِ حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے:

ذکر بطلان النّکاح الّذی نکح بغیر ولیّ . ''ولی کے بغیر کیے گئے نکاح کے باطل ہونے کا بیان۔''

(صحیح ابن حبان : ۳۸٤/۹)

دلیل نمبر ٦ : خلیفۂ راشد سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أیّما امرأة نکحت بغیر اذن ولیّھا فنکاحھا باطل ، لا نکاح الّا باذن ولیّ .

''جو عورت بھی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے، اس کا نکاح باطل ہے، ولی کی اجازت کے بغیر کوئی نکاح نہیں۔'' (السنن الکبریٰ للبیھقی : ۱۱۱/۷، وسندہٗ صحیح)

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ھذا اسناد صحیح .** ''یہ سند صحیح ہے۔''

دلیل نمبر ۷ : ام المومنین سیدہ زینب بنتِ جحش رضی اللہ عنہا کے بارے میں ہے:

فکانت زینب تفخر علی أزواج النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم تقول : زوّجکنّ أھالیکنّ وزوّجنی اللّٰہ تعالیٰ من فوق سبع سموت .

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات پر فخر کرتے ہوئے کہتی تھیں کہ تمہارا سب کا نکاح تمہارے گھر والوں نے کیا ہے، جبکہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر سے کیا ہے۔'' (صحیح بخاری : ۱۱۰٦/۲، ح : ٦٤۲۰)

دلیل نمبر ۸ : سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا أراد الرّجل أن یزوّج ابنتہ فلیستأذنھا .

''جب کوئی آدمی اپنی بیٹی کی شادی کرنے لگے تو اس سے اجازت طلب کرے۔''

(مسند ابی یعلیٰ : ۷۲۲۹، وسندہٗ صحیح)

حافظ ہیثمی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: رواه أبو يعلىٰ والطّبراني ورجاله رجال الصّحيح .

''اس کو امام ابو یعلیٰ اور امام طبرانی نے بیان کیا ہے اور اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔''

(مجمع الزوائد : ٢٧٩/٤)

اس حدیث میں آدمی کو اپنی بیٹی کا نکاح کرتے وقت اس سے اجازت لینے کا حکم دیا گیا ہے، واضح ہے کہ نکاح کا اختیار ولی کے پاس ہے، ورنہ اگر عورت اس معاملے میں خود مختار ہوتی تو ولی کیسے اس کا نکاح کر سکتا تھا اور کیوں اس سے اجازت طلب کرتا پھرتا، پھر تو عورت اپنے گھر والوں کو بتاتی کہ میں نے فلاں مرد سے نکاح کرنا ہے، جبکہ حدیث میں ولی کو حکم ہے کہ وہ لڑکی کو اعتماد میں لے۔

دلیل نمبر ۹ : سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: الثّيّب أحقّ بنفسها من وليّها ، والبكر تستأمر ، واذنها سكوتها .

''شوہر دیدہ عورت اپنے (نکاح کے) بارے میں اپنے ولی سے بڑھ کر حق رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے اجازت طلب کی جائے گی، اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے۔'' (صحيح مسلم : ٤٥٥/١، ح : ١٤٣١)

ایک روایت میں ہے: ليس للوليّ مع الثّيّب أمر ، واليتيمة تستأمر ، وصمتها اقرارها .

''ولی کو شوہر دیدہ کے ساتھ کوئی کام نہیں، کنواری لڑکی سے مشورہ لیا جائے گا، اس کی خاموشی ہی اقرار ہے۔''

امام ابنِ حبان اس حدیث کے مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں:

((الأيّم أحقّ بنفسها)) أراد به أحقّ بنفسها من وليّها بأن تختار من الأزواج من شاء ت ، فتقول : أرضىٰ فلانا ، ولا أرضىٰ فلانا ، لا أنّ عقد النّكاح اليهن دون الأولياء .

''شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کی زیادہ حق دار ہے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ ہے کہ وہ خاوندوں میں سے جس کو چاہے پسند کرے، وہ کہے کہ میں فلاں کو پسند کرتی ہوں اور فلاں کو پسند نہیں کرتی، یہ مراد نہیں کہ عقدِ نکاح اولیاء کی بجائے ان کے ہاتھ میں ہے۔'' (صحيح ابن حبان ، تحت حديث : ٤٠٨٧)

نیز ليس للوليّ مع الثّيب أمر کا مطلب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم ((ليس للوليّ مع الثيّب أمر)) يبيّن لک صحّة ما ذهبنا اليه أنّ الرّضا والاختيار الى النّساء والعقد الى الأولياء ، لنفيه صلّى اللّٰه عليه وسلّم عن الوليّ انفراد الأمر دونها اذا كانت ثيّبا ، لأنّ لها الخيار فى بضعها والرّضا بما يعقد عليها .

وقوله صلّى اللّٰه عليه وسلّم : ((اليتيمة تستأمر)) أراد به تسترضىٰ فيمن عزم له على العقد عليها ، فان صمتت فهو اقرارها ، ثمّ يتربّص بالعقد الى البلوغ ، لأنّها وان صمتت وأذنت ليس لها أمر ولا اذن ، اذ الأمر والاذن لا يكون الا للبالغة .

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ شوہر دیدہ کے ساتھ ولی کو کوئی کام نہیں، ہمارے اس مذہب کی صحت کو روزِ روشن کی طرح عیاں کرتا ہے کہ مرد کے بارے میں رضا واختیار تو عورتوں کا حق ہے اور نکاح کرنا اولیاء کا حق ہے، کیونکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے شوہر دیدہ ہونے کی صورت میں ولی کو عورت سے پوچھے بغیر اپنی مرضی سے نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ عورت کو اپنی عصمت میں اختیار اور مرد میں رضامندی ظاہر کرنے کا حق حاصل ہے۔

نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ کنواری لڑکی سے مشورہ کیا جائے، اس سے مراد یہ ہے کہ جس مرد سے اس کا نکاح کرنے کا ارادہ ہو، اس کے بارے میں اس کی رضامندی طلب کی جائے، اگر وہ خاموش ہو جائے تو یہ اس کا اقرار ہے، پھر وہ اس لڑکی کے بالغ ہونے تک عقد کا انتظار کرے، کیونکہ اگرچہ اس نے خاموش ہو کر اجازت دے دی ہے، مگر اس نابالغ کے لیے نہ کوئی امر ہے اور نہ اجازت، کیونکہ مشورہ اور اجازت صرف بالغہ کے لیے ہے۔''

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

وقد احتجّ بعض النّاس فى اجازة النّكاح بغير وليّ بهذا الحديث ، وليس فى هذا الحديث ما احتجّوا به ، لأنّه قد روى من غير وجه عن ابن عباس عن النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم قال : لا نكاح الّا بوليّ (سنن ابن ماجه : ١٨٨٠، وسندهٗ حسن والحديث صحيح) **وهكذا أفتى به ابن عباس بعد النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم ، فقال : لا نكاح الّا بوليّ** (سنن سعيد بن منصور : ٥٥٣، مصنف ابن ابى شيبة : ٤ /٢/١٢٨، وسندهٗ ضعيف) ، **وانّما معنىٰ قول النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم ((الأيّم أحقّ بنفسها من وليّها)) عند أكثر أهل العلم أنّ الوليّ لا يزوّجها الّا برضاها وأمرها ، فان زوّجها فالنّكاح مفسوخ علىٰ حديث خنساء بنت خدام** (صحيح بخارى : ١/٧٧١، ح : ٥١٣٨، سنن ترمذى : ١١٠٨) **حيث زوّجها أبوها وهى ثيّب ، فكرهت ذالك ، فردّ النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم نكاحه .**

''اس حدیث سے بعض لوگوں نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کے جواز کی دلیل لی ہے، حالانکہ اس حدیث میں ان کی دلیل موجود نہیں، کیونکہ یہ حدیث کئی سندوں کے ساتھ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے

مروی ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ولی کے بغیر کوئی نکاح نہیں (سنن ابن ماجه : ۱۸۸۰، وسندهٗ حسن والحديث صحيح) ، اسی طرح سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح فتویٰ دیا ہے (سنن سعيد بن منصور : ۵۵۳، مصنف ابن ابی شيبة : ٤ /۱۲۸/۲/۱۲۸، وسندهٗ ضعيف) ، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ شوہر دیدہ اپنے ولی سے بڑھ کر اپنے نفس کی حق دار ہوتی ہے، اکثر علمائے کرام کے نزدیک اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ولی اس کا نکاح اس کی رضامندی اور مشورے کے بغیر نہیں کرسکتا، اگر ولی نے اس کا نکاح بغیر اس کی مرضی کے کردیا تو وہ نکاح فسخ کردیا جائے گا، جیسا کہ خنساء بنتِ خدام کی حدیث (صحيح بخاری : ۱/۷۷۱، ح : ۵۱۳۸، سنن ترمذی : ۱۱۰۸) ہے کہ ان کے باپ نے ان کا نکاح کردیا، وہ شوہر دیدہ تھیں، انہوں نے اس نکاح کو پسند نہ کیا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ولی کا کیا ہوا نکاح رد کردیا۔'' (سنن ترمذی ، تحت حديث: ۱۱۰۸)

علامہ سندھی حنفی لکھتے ہیں: ((الأيّم أحقّ)) هو يقتضى المشاركة ، فيفيد أنّ لها حقّا فی نكاحها ولوليّها حقّا ، وحقّها أوكد من حقّه ، فانّها لا تجبر لأجل الولیّ ، وهو يجبر لأجلها ، فان أبی زوّجها القاضی ، فلا ينافی هذا الحديث حديث : لا نكاح الّا بولیّ .

''شوہر دیدہ زیادہ حق رکھتی ہے، یہ فرمانِ نبوی مشارکت کا تقاضا کرتا ہے، یہ اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ نکاح میں عورت کا بھی حق ہے اور اس کے ولی کا بھی حق ہے اور اس کا حق زیادہ تاکید والا ہے، پس (شوہر دیدہ) کو ولی کی وجہ سے مجبور نہیں جائے گا، جبکہ اس کے ولی کو اس شوہر دیدہ کی وجہ سے مجبور کیا جائے گا، چنانچہ اگر وہ (ولی) انکار کردے تو قاضی اس کا ولی بن کر نکاح کردے گا، پس یہ حدیث لا نكاح الّا بولی کے خلاف نہیں ہے۔'' (حاشية السندی علی النسائی : ۸٤/٦)

یہی بات حافظ نووی رحمہ اللہ نے کہی ہے۔ (شرح صحيح مسلم : ٤٥٥/١)

فائدہ : الأيّم کا لفظ اگرچہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے، لیکن یہاں اس سے مراد شوہر دیدہ ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ البکر کا عطف الأيّم پر ہے، معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان مغایرت ہوتی ہے، اس کی تائید صحیح مسلم (۴۹۵/۱، ح:۱۴۲۱) کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے:

الثّيّب أحقّ بنفسها من وليّها . ''شوہر دیدہ عورت اپنے نفس کی اپنے ولی سے بڑھ کر حق دار ہے۔''

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: قال العلماء الأيّم هنا الثّيّب .

''علمائے کرام کا کہنا ہے کہ یہاں الأيّم سے مراد شوہر دیدہ عورت ہے۔'' (شرح مسلم للنووی : ٤٥٥/١)

امام سعید بن مسیّب اور امام حسن بصری ایسی عورت جس نے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا ہو، اس کے بارے میں فرماتے ہیں: **یفرّق بینهما .** ''ان دونوں کے درمیان جدائی واقع کی جائے گی۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ١٣١/٢/٤، ح : ١٦١٧٦، وسندهٗ صحیح)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وبهذا یقول سفیان الثّوری والأوزاعیّ ومالک وعبدالله ابن المبارک والشّافعیّ وأحمد واسحاق .**

''امام سفیان بن سعید ثوری، امام اوزاعی، امام مالک، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کہتے ہیں کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔''

(سنن ترمذی ، تحت حدیث : ١١٠٧)

علامہ ابنِ تیمیہ رحمہ اللہ نکاح میں ولی کی اجازت شرط ہونے کے متعلق لکھتے ہیں:

فانّه دلّ علیه القرآن فی غیر موضع والسّنّة فی غیر موضع ، وهو عادة الصّحابة ، انّما کان یزوّج النّساء الرّجال ، لا یعرف أنّ امرائة تزوّج نفسها ، وهذا ممّا یفرّق فیه بین النّکاح ومتّخذات أخدان .

''اس کی دلیل قرآن وسنت میں بار ہا مقامات پر موجود ہے، یہی صحابہ کی عادت تھی، مرد ہی عورتوں کا نکاح کرتے تھے، یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ (اس دور میں) کسی عورت نے اپنا نکاح خود کر لیا ہو، اسی بات سے نکاح اور ناجائز آشنائی والیوں میں فرق ہوتا ہے۔'' (مجموع الفتاویٰ : ١٣١/٣٢)

ابنِ قدامہ المقدسی لکھتے ہیں: **انّ النّکاح لا یصحّ الّا بولیّ ولا تملک المرأة تزویج نفسها ولا غیرها ولا توکیل غیر ولیّها فی تزویجها ، فان فعلت لم یصحّ النّکاح .**

''ولی کے بغیر نکاح جائز نہیں، نہ ہی عورت اپنا یا کسی اور عورت کا نکاح کر سکتی ہے، نہ اپنے ولی کے علاوہ کسی اور کو اپنے نکاح کی ذمہ داری دے سکتی ہے، اگر ایسا کرے گی تو نکاح درست نہ ہوگا۔'' (المغنی : ١٤٩/٦)

شاہ ولی اللہ الدہلوی الحنفی نکاح میں ولی کی اجازت شرط ہونے کی حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''نکاح میں ولی کی جو شرط لگائی گئی ہے، اس میں ولیوں کی شان کو بلند کرتا ہے اور عورتوں کا نکاح کے ساتھ منفرد ہونا یہ ان کی رسوائی ہے، جس کا باعث قلتِ حیاء، مردوں پر برجستہ ہونا اور ان کی پروانہ کرنا ہے اور یہ بات بھی ہے کہ نکاح کو بدکاری سے تشہیر کے ساتھ جدا کیا جائے اور اس تشہیر میں سب سے زیادہ حق دار چیز

ولیوں کا حاضر ہونا ہے۔'' (حجة الله البالغة : ۱۲۷/۲)

اعتراض : انّ عائشة زوج النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم زوّجت حفصة بنت عبدالرّحمن ، المنذر بن الزّبیر ، وعبدالرّحمن غائب بالشّام ، فلمّا قدم عبدالرّحمن قال : ومثلی یصنع هذا به ؟ ومثلی یفتات علیه ؟ فکلّمت عائشة المنذر بن الزّبیر ، فقال المنذر : فان ذالک بعد عبدالرّحمن ، فقال عبدالرّحمن : ما کنت لأردّ أمرا قضیتنیه ، فقرّت حفصة عند المنذر ، ولم یکن ذالک طلاقا .

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حفصہ بنتِ عبدالرحمٰن کا نکاح منذر بن زبیر سے کر دیا، جبکہ عبدالرحمٰن شام کے سفر پر تھے، جب وہ آئے تو کہنے لگے، کیا میرے جیسے شخص کے ساتھ یہ معاملہ کیا جاتا ہے؟ کیا میرے جیسے شخص کے مشورے کے بغیر کام کیا گیا ہے؟ چنانچہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے منذر سے بات کی، منذر نے کہا، یہ کام عبدالرحمٰن کے بعد ہوا تھا، عبدالرحمٰن نے کہا، میں اس معاملے کو رد نہیں کر سکتا جس کو آپ نے طے کر دیا ہے، لہٰذا حفصہ منذر کے ہاں ہی رہیں اور یہ طلاق نہ ہوئی۔''

موطا امام مالك : ۵۵۵/۲ ، السنن الکبریٰ للبیهقی : ۱۱۲/۷۔۱۱۳)

جواب : یہ معاملہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی رائے اور مشورے سے طے پایا تھا، اس لیے نکاح کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی ہے، ولی کوئی اور ہوگا، کیونکہ ایک عورت دوسری عورت کی ولی نہیں بن سکتی، اس میں اشارہ تک نہیں ملتا کہ یہ نکاح ولی کے بغیر ہوا تھا، جیسا کہ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وأجیب بأنّه لم یرد فی الخبر التّصریح بأنّها باشرت العقد ، فقد یحتمل أن تکون البنت المذکورة ثیّبا ودعت الی کفئ وأبوها غائب ، فانتقلت الولایة الی الولیّ الأبعد أو الی السّلطان.

''اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ حدیث میں یہ وضاحت موجود نہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے خود نکاح کیا تھا، احتمال ہے کہ مذکورہ لڑکی شوہر دیدہ ہو اور وہ ہم سر رشتے کے سپرد کر دی گئی اس حال میں کہ اس کا باپ غائب تھا، چنانچہ ولایت دور والے ولی یا حاکمِ وقت کی طرف منتقل ہوگئی۔'' (فتح الباری : ۱۸۶/۹)

امام بیہقی رحمہ اللہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

انّما أرید به انّها مهّدت تزویجها ، ثمّ تولّی عقد النّکاح غیرها ، فأضیف التّزویج الیها ، لأنّها فی ذالک وتمهیدها أسبابه ، واللّٰه أعلم !

''اس سے مراد یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نکاح کا بندوبست کیا تھا، جبکہ نکاح کا ولی وہ نہیں بنی تھیں، مگر (اس بندوبست کی وجہ سے) نکاح کی نسبت ان کی طرف کر دی گئی، کیونکہ وہ اس نکاح کے بندوبست میں شریک تھیں اور نکاح کا بندوبست کرنا یہ اس نکاح کے اسباب میں سے ہے، (لہٰذا سبب بننے والے کی طرف نسبت ہوگئی)۔'' (السنن الکبریٰ للبیهقی : ١١٣/٤)

ثابت ہوا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنی روایت کے خلاف کچھ نہیں کیا، والحمدللہ!

یاد رہے کہ قرآنِ مجید میں جہاں بھی نکاح کی نسبت عورت کی طرف کی گئی ہے، وہاں شوہر دیدہ عورت مراد ہے، نہ کہ کنواری، بعض الناس خوامخواہ قرآن وحدیث میں تعارض پیدا کرتے رہتے ہیں۔

عبدالرّحمن بن أبی الزّناد عن أبیه من الفقهاء الّذین ینتهی الی قولهم من تابعی أهل المدینة ، کانوا یقولون : لا تعقد امرأة عقدة النّکاح فی نفسها ولا فی غیرها .

''عبدالرحمٰن بن ابی زنا داپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ جن تابعین کے قول کو فیصلہ کن سمجھا جاتا تھا، وہ کہتے تھے کہ عورت نہ خود اپنا نکاح کر سکتی ہے، نہ کسی اور عورت کا۔'' (السنن الکبریٰ للبیهقی : ١١٣/٤، وسندهٗ حسن)

مشہور تابعی امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لا تنکح المرأة المرأة . ''کوئی عورت دوسری عورت کا نکاح نہیں کر سکتی۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ١٣٤/٢/٤، وسندهٗ صحیح)

فائدہ : امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ فرماتے تھے:

لا تنکح المرأة نفسها ، وکانوا یقولون : انّ الزّانیة هی التی تنکح نفسها .

''عورت اپنا نکاح خود نہیں کر سکتی، وہ (صحابہ وتابعین) کہا کرتے تھے کہ جو عورت خود اپنا نکاح کرتی ہے، وہ بلاشبہ زانیہ ہے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ١٣٤/٢/٤، وسندهٗ صحیح)

اعتراض نمبر ٢ : سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

انّه أجاز نکاح امرأة بغیر ولیّ ، أنکحتها أمّها برضاها .

''آپ نے ایک عورت کا بغیر ولی کے نکاح جائز قرار دیا، اس کی ماں نے اس کی رضامندی سے نکاح کیا تھا۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ١٣٢/٢/٤)

تبصرہ : اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

۱☆ اس میں ابومعاویہ الضریر ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے روایت کررہے ہیں۔

۲☆ اس میں ایک مبہم ومجہول راوی موجود ہے۔

۳☆ یہ قرآن وحدیث اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے اپنے قول کے بھی خلاف ہے۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

اپیل برائے دعائے مغفرت

حاجی مرزا جان صاحب، حاجی محمد اعظم صاحب، خضر حیات ساہی صاحب اور چوہدری نذیر ساہی صاحب کے بھائی عمر حیات بن غلام محمد ساہی چک مجاہد شمالی تحصیل پنڈ دادنخان جہلم وفات پا گئے ہیں، مرحوم صحیح العقیدہ اور غیور مسلمان تھے، قارئین سے التماس ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

اعتذار

قارئین کرام! ماہنامہ **السنة** شمارہ نمبر 7 ،صفحہ نمبر 9 ،سطر نمبر 12 میں کمپوزنگ کی غلطی سے آیتِ کریمہ میں وَرَافِعُکَ کی بجائے وَرَافِعَکَ لکھا گیا ہے، قارئین اصلاح فرمالیں۔

☆☆.....☆☆.....☆☆

تشنگانِ علمِ حدیث کے لیے خوشخبری **دورۂ تخصّص** سابقہ شاندار روایات کے مطابق

خصوصیات

۱۔احادیث کی تخریج وتحقیق

۲۔اسماء الرجال میں مہارتِ تامہ

۳۔اختلافی مسائل میں محدثین کے موقف ومنہج کی ترجیح وبرتری

۴۔فرقِ ضالہ کا مدلل ومبرہن رد

۵۔عقیدہ اسماء وصفات پر سیر حاصل گفتگو

۶۔فتنۂ انکارِ حدیث پر کاری ضرب

آغاز

18 اگست 2009ء بروز منگل

بمطابق 25 شعبان المعظم 1430ھ

اختتام

17 ستمبر 2009ء بروز جمعرات

ان شاء اللہ تعالیٰ

مدرسین: غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری، حافظ ابو یحییٰ نور پوری

برائے رابطہ: 03005482125

عورتوں کا مسجد میں جانا جائز ہے

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

عورت اسلامی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے، مسلمان عورت ماں، بہن، بیوی اور بیٹی ہر روپ میں گھرانے کا جزوِ لاینفک ہے، یہی وجہ ہے کہ ہر دور میں اس کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی جاتی رہی ہے، کیونکہ اس کی تعلیم و تربیت گویا آنے والی نسلوں کی اصلاح کا پیش خیمہ ہے اور اس کی جہالت آنے والی کئی پشتوں کا خانہ خراب کرنے کے مترادف ہے۔ اسی لیے ایک مصری شاعر حافظ ابراہیم نے کیا خوب کہا تھا: الأمّ مدرسة ان أعددتّها أعددتّ شعبا طيّب الأعراقِ .

''ماں ایک درسگاہ ہے اور اس درسگاہ کو اگر آپ نے سنوار دیا تو گویا ایک بااصول اور پاکیزہ نسب والی قوم کی تشکیل کر دی۔''

اسلامی معاشرے میں سب سے بڑا تعلیمی مرکز مسجد ہے، لیکن افسوس کہ بعض لوگ علمِ دین سے دور کر دینے والی شیطانی پالیسی کو بھانپنے کے بجائے اس کے آلۂ کار بن کر عورتوں کو مسجدوں سے روک رہے ہیں، حالانکہ انہی لوگوں کی عورتیں اگر دنیاوی علم حاصل کرنے کے لیے سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں جائیں تو ان کا جذبۂ غیرت جوش نہیں مارتا، نیز بازاروں اور مارکیٹوں میں غیر محرم دوکانداروں سے شاپنگ کرتی پھریں تو غیرت کا جنازہ نہیں نکلتا، لیکن اگر وہ مسجد میں آئیں تو ان کو فتنے کا خدشہ ہو جاتا ہے۔

آیئے عہدِ نبوی میں مسلمانوں کی عورتوں یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات کے عمل اور وحیٔ الٰہی بولنے والی زبان سے فیصلہ کرواتے ہیں:

دلیل نمبر ۱ :

عن أمّ سلمة رضى اللّٰه عنها قالت : كان يسلّم فينصرف النّساء ، فيدخلن بيوتهن من قبل أن ينصرف رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم .

''سیدہ امّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے سلام پھیرتے تو عورتیں فوراً واپس جا کر (مقتدیوں کی طرف) آپ کے چہرۂ مبارک پھیرنے سے پہلے اپنے گھروں میں داخل ہو جاتیں۔'' (صحیح بخاری : ۸۵۰)

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں عورتیں مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے جایا کرتی تھیں، ان کے لیے کوئی ممانعت نہ تھی، اب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی اس کی وضاحت ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ۲ :

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت : ان کان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم لیصلّی الصّبح ، فینصرف النّساء متلفّعات بمروطهن ، ما یعرفن من الغلس .

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، بیان کرتی ہیں کہ اس بات میں کچھ شبہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز ادا فرماتے تو عورتیں فوراً چادروں میں لپٹی ہوئی واپس چلی جاتیں، وہ اندھیرے کی وجہ سے پہچانی نہ جاتی تھیں۔'' (صحیح بخاری : ۸٦۷، صحیح مسلم : ٦٤٥)

دلیل نمبر ۳ :

عن أبی هریر ة رضی اللّٰه عنه قال : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : خیر صفوف الرّجال أوّلها وشرّها آخرها ، وخیر صفوف النّساء آخرها وشرّها أوّلها .

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں کی صفوں میں سے بہترین صف سب سے پہلی اور سب سے بری (ثواب میں کم) سب سے آخری صف ہے، جبکہ عورتوں کی صفوں میں سب سے بہترین صف آخری اور سب سے بری (ثواب میں کم) پہلی صف ہے۔'' (صحیح مسلم : ٤٤٠)

ان احادیث کے بعد تو کوئی شک نہیں رہا کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں عورتیں نماز کے لیے مسجد میں آتی تھیں۔

پھر اس بارے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت بھی موجود ہے:

دلیل نمبر ٤ :

عن أبی هریرة رضی اللّٰه عنه أنّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال : لا تمنعوا اماء اللّٰه مساجد اللّٰه ، ولکن لیخرجن وهنّ تفلات .

''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تم اللہ کی بندیوں کو

اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو، ان کو بھی چاہیے کہ وہ خوشبو لگائے بغیر نکلیں۔''

(مسند الامام احمد : ٥٢٨/٢، سنن ابی داؤد : ٥٦٥، وسندہٗ حسن)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (١٦٧٩)، امام ابنِ حبان (٢٢١٤)، امام ابن الجارود (٣٣٢) اور حافظ نووی (المجموع: ١٩٩/٤) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

نیز حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: **رواه أبو داؤد باسناد الصّحيحن .** ''اس حدیث کو امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بخاری و مسلم کی سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔'' (خلاصۃ الاحکام : ٩٧٩/٢، ح : ٢٣٥٣)

اب سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا ایمان افروز واقعہ بھی پڑھتے جایئے:

دلیل نمبر ٥ :

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال : قال رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : ائذنوا للنّساء باللّیل الی المساجد ، فقال له ابن له ، یقال له واقد : اذن یتّخذن له دغلا ، قال : فضرب فی صدره وقال : أحدّثک عن رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم وتقول : لا .

''سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، (اگر عورتیں اجازت مانگیں تو) اپنی عورتوں کو رات کے وقت مسجدوں میں جانے کی اجازت دو، ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے واقد نامی بیٹے نے کہا، (میں تو اجازت نہیں دوں گا) وہ تو اس کام کو خرابی (کا حیلہ) بنالیں گی، آپ نے اس کے سینے میں (زوردار تھپیڑا) مارا اور فرمایا، میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنا رہا ہوں اور تو کہتا ہے کہ (میں ان کو اجازت) نہیں (دوں گا)۔'' (صحیح مسلم : ٤٤٢)

اس حدیث سے جہاں عورتوں کے مسجد میں جانے کا جواز ثابت ہوتا ہے، وہاں عورتوں کو مسجدوں سے منع کرنے والوں کے لیے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتباعِ سنت، عبرت بھی ہے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت (٤٤٣/١٣٥) میں تو ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے دوسرے بیٹے سالم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ جب آپ کے بیٹے نے حدیث سن کر بھی عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم ان کو ضرور روکیں گے تو:

فأقبل علیه عبداللّٰه ، فسبّه سبّا سیّئا ، ما سمعته سبّه مثله .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور اتنا سخت برا بھلا کہا کہ میں نے اس جیسی

سختی آپ میں کبھی نہ سنی تھی۔''

یہ تھا صحابہ کرام کا جذبۂ اتباع، اب بھی اگر کوئی یہی بہانہ بنا کر عورتوں کو مسجد میں جانے سے روکے تو خود ہی سوچے کہ کیا روزِ محشر اس سنت کی مخالفت کر کے وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہ کو کیا منہ دکھائے گا؟

دلیل نمبر ٦ :

عن أبی قتادة رضی اللّٰه عنه عن النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم قال : انّی لأقوم فی الصّلاة ، أرید أن أطوّل فیها ، فأسمع بکاء الصّبی ، فأتجوّز فی صلاتی ، کراهیة أن أشقّ علی أمّه .

''سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا، میں نماز میں کھڑا ہوتا ہوں تو اسے لمبا کرنے کا ارادہ ہوتا ہے، پھر بچے کے رونے کی آواز سن کر اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں کہ کہیں میں اس کی ماں کو مشقت میں نہ ڈال دوں۔'' (صحیح بخاری : ٨٦٨)

عورتوں کو مسجدوں سے روکنے والے بتائیں کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دورِ مبارک میں تو عورتیں اتنے اہتمام سے مسجد میں آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بچوں کے رونے کے باوجود، جو کہ ایک قسم کا خلل بھی تھا، مسجد میں آنے سے نہ روکیں تو بعد میں یہ اختیار کس کو حاصل ہو گیا ہے؟

نیز اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے مسجد جانے میں تفصیل کرنا، یعنی جوان عورتوں کو مطلق طور پر اور بوڑھی عورتوں کو دن میں مسجد میں جانے سے منع کرنا بالکل بے بنیاد ہے، کیونکہ چھوٹے چھوٹے بچوں والی عورتیں جوان ہی ہوتی ہیں، نہ کہ ''عجوز'' یعنی بوڑھی، اسی طرح اس حدیث میں کسی نماز کی تخصیص بھی نہیں ہے، بلکہ اس حدیث میں عموم ہے، ثابت ہوا کہ اس طرح باتیں بنانا قرآن وسنت سے خیر خواہی نہیں۔

دلیل نمبر ٧ :

عن زینب امرأة عبداللّٰه قالت : قال لنا رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : اذا شهدت احداکنّ المسجد فلا تمسّ طیبا .

''سیدہ زینب رضی اللہ عنہا جو کہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زوجہ ہیں، بیان کرتی ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا، جب تم (عورتوں) میں سے کوئی مسجد میں آئے تو خوشبو نہ لگائے۔''

(صحیح مسلم : ٤٤٣)

ثابت ہوا کہ اگر عورت نے خوشبو نہ لگائی ہو تو اسے مسجد میں داخل ہونے سے کوئی چیز مانع نہیں۔

دلیل نمبر ۸ :

عن أمّ هشام بنت حارثة رضی اللّٰه عنها قالت : ما أخذت ﴿ قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ﴾ اّلا عن لّسان رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم ، یقرأها کلّ جمعة علی المنبر اذا خطب النّاس .

''سیدہ امِ ہشام بنتِ حارثہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے سورۂ ق رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے (سن کر) ہی تو یاد کی تھی، آپ اسے ہر جمعہ کے دن منبر پر لوگوں کو خطبہ دیتے ہوئے تلاوت فرمایا کرتے تھے۔'' (صحیح مسلم : ۸۷۳/۵۲)

اب ذرا غور فرمائیں تو معلوم ہو کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں دنیا کی سب سے پاکباز عورتیں اور سب سے پاکباز خاوندوں کی بیویاں کتنی پابندی سے نمازِ جمعہ ادا کرنے کے لیے مسجد میں حاضر ہوا کرتی تھیں، کائنات کے سب سے باغیرت اور عصمتوں کے محافظ تو اپنی بیویوں کو اجازت دیتے رہے، لیکن آج کے نام نہاد دین پرست رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت آجانے کے بعد بھی عورتوں کو مسجدوں سے روکنے پر کیوں ادھار کھائے بیٹھے ہیں۔

دلیل نمبر ۹ :

عن ابن عمر رضی اللّٰه عنهما قال : کانت امرأة لعمر تشهد صلاة الصّبح والعشاء فی الجماعة فی المسجد ، فقیل لها : لم تخرجین وقد تعلمین أنّ عمر یکره ذلک ویغار ؟ قالت : وما یمنعه أن ینهانی ؟ قال : یمنعه قول رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم : لا تمنعوا اماء اللّٰه مساجد اللّٰه .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی ایک زوجہ صبح اور عشاء کی نماز مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ ادا کرتی تھیں، ان سے پوچھا گیا، آپ کیوں (مسجد کی طرف) نکلتیں ہیں، حالانکہ آپ جانتی بھی ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس کام کو پسند نہیں کرتے اور غیرت کھاتے ہیں؟ وہ کہنے لگیں، ان کو کون سی چیز مانع ہے کہ وہ مجھے منع نہیں کرتے؟ کہا، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ تم اللہ کی بندیوں کو اللہ کی مسجدوں سے نہ روکو۔'' (صحیح بخاری : ۸۵۸، صحیح مسلم : ۴۴۲ مختصراً)

قارئین کرام! جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی بھی ناپسند کرنے کے باوجود رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کے فرمان کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی بیوی کو مسجد جانے سے نہیں روکتے تھے تو بعد کے مفتیان یہ جرأت کیونکر کر سکتے ہیں؟

دلیل نمبر ۱۰ :

عن أسماء بنت أبی بکر رضی اللّٰہ عنھا قالت : سمعت رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول : من کان منکنّ تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر فلا ترفع رأسھا حتی یرفع الرّجال رؤوسھم ، کراھیۃ أن یرین من عورات الرّجال .

''سیدہ اسماء بنتِ ابی بکر رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (اے عورتو!) تم میں سے جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہے، وہ مردوں کے (سجدے سے) سر اٹھانے سے پہلے سر نہ اٹھائے، (ان دنوں صحابہ کرام کے پاس کپڑے بہت تھوڑے تھے اور ان کے ازار چھوٹے ہوتے تھے)، آپ نے یہ بات اس لیے فرمائی کہ کہیں (عورتوں کے پہلے سر اٹھانے کی وجہ سے) مردوں کے ستر پر ان کی نظر نہ پڑ جائے۔'' (صحیح بخاری : ۸۱٤، صحیح مسلم : ٤٤١)

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

یہ پوری دس صحیح احادیث کا مجموعہ ہماری دلیل ہے، ان سب کا تعلق صحیحین سے ہے، جن کی صحت پر امت کا اجماع ہے۔

اس بارے میں چند محدثین کی آراء

۱☆ امیر المومنین فی الحدیث، فقیہِ امت، امام محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہ اللہ (۱۹۴۔۲۵٦ھ) سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کی مذکورہ حدیث پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

باب خروج النّساء الی المساجد باللّیل والغلس .

''عورتوں کے رات اور اندھیرے میں مسجدوں کی طرف نکلنے کا بیان۔''

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امامِ بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی اور خواہ دن ہو یا رات مطلق طور پر مسجد میں جا سکتی ہے، کیونکہ جب اندھیرے میں جا سکتی ہے تو دن کی روشنی میں جب کہ اندھیرے کی نسبت کہیں زیادہ امن ہوتا ہے، کیوں نہیں جا سکتی؟

۲☆ امام الائمہ امام ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳۔۳۱۱ھ) ان احادیث پر یوں باب قائم کرتے ہیں:

باب الاذن للنّساء فی اتیان المساجد .

''عورتوں کو مسجدوں میں آنے کی اجازت کا بیان۔'' (صحیح ابن خزیمه ، کتاب الصلوة ، باب : ۱٦۹) اور

باب النّهی عن منع النّساء عن الخروج الی المساجد باللّیل .

''رات کے وقت عورتوں کو مسجد جانے سے روکنے کی ممانعت کا بیان۔'' (باب : ۱۷۱)

۳☆ امام ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی رحمہ اللہ (۱۸۱۔۲۵۵ھ) سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث پر یوں باب قائم فرماتے ہیں:

باب النّهی عن منع النّساء عن المساجد ، و کیف یخرجن اذا خرجن .

''عورتوں کو مسجدوں سے روکنے کی ممانعت کا بیان ، نیز (اس بات کی وضاحت کہ) وہ جب نکلیں تو کیسے نکلیں۔'' (مسند الدارمی : ۱۳۱٤)

ایک مقام پر تو امام موصوف کی تبویب نہایت قابلِ توجہ ہے:

باب تعجیل العقوبة من بلغه عن النّبی صلّی اللّٰه علیه و سلّم حدیث فلم یعظّمه و لم یوقّره .

''جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پہنچنے کے بعد اس کو تسلیم نہیں کرتا ، اسے جلد از جلد سزا دینی چاہیے۔'' (مسند الدارمی : ٤٥٦)

اس باب میں انہوں نے صحابہ کرام کے واقعات سے ثابت کیا ہے کہ جب ان کے حدیث بیان کر دینے کے بعد کسی نے ان کے سامنے اس کی مخالفت کی تو انہوں نے اس سے ترکِ تعلق کر لیا تھا، سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث بھی اسی باب میں ذکر کرتے ہوئے انہوں نے یہ بتایا ہے کہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت کے بعد عورتوں کو مسجدوں سے روکنے والا دین کا خیر خواہ نہیں بلکہ الٹا سنتِ نبوی کا مخالف ہے۔

۴☆ امام ابنِ حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) کی تبویب ملاحظہ ہو:

ذکر الزّجر عن منع النّساء عن اتیان المساجد للصّلاة .

''نماز کے لیے مسجد میں آنے والی عورتوں سے منع کرنے پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈانٹ کا بیان۔''

(صحیح ابن حبان : ۵۷۸/۵، ح : ۲۲۰۹)

۵☆ حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ (م ۴۵٦ھ) رقمطراز ہیں:

وقد اتّفق أهل الأرض أنّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم لم يمنع النّساء قطّ الصّلاة معه فی مسجده الی أن مات عليه السّلام ولا الخلفاء الرّاشدون بعده ، فصحّ أنّه عمل غير منسوخ ، فاذ لا شکّ فی هذا ، فهو عمل برّ ، ولولا ذالک ما أقرّه عليه السّلام ، ولا ترکهنّ يتکلّفنه بلا منفعة بل بمضرّة ، وهذا العسر والأذی ، لا النّصيحة .

''اس بات پر تمام لوگوں کو اتفاق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات تک عورتوں کو مسجد میں آنے سے کبھی نہیں روکا، نہ ہی خلفائے راشدین نے آپ کے بعد یہ کام کیا، اس سے ثابت ہو گیا کہ یہ عمل منسوخ نہیں ہوا، جب اس کا غیر منسوخ ہونا یقینی ہے تو یہ نیکی کا کام ہوا، اگر ایسا نہ ہوتا تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اسے برقرار نہ رکھتے اور ان عورتوں کو بے فائدہ بلکہ نقصان دہ تکلیف میں مبتلا نہ چھوڑتے، ایسا کرنا تنگی و تکلیف تو ہو سکتا ہے، خیر خواہی نہیں (حالانکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے بڑے خیر خواہ تھے)۔''

(المحلی لابن حزم : ۸۳۱/۳، مسئلہ : ۳۲۱)

مانعین کے دلائل کا جائزہ

جیسا کہ آپ حافظ ابنِ حزم رحمہ اللہ کی زبانی فیصلہ کن بات سن چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے عورتوں کو کبھی بھی مسجدوں میں آنے سے روکا نہیں، بات واضح ہے کہ یہ عمل منسوخ نہیں ہوا اور جب ایسا ہے کہ تو روکنا جائز کیسے ہوا؟ آپ خود اندازہ فرمائیں کہ ایک عمل رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے بعد میں ہوتا رہا تو اب اس کی منسوخیت یا منع کے دلائل کتنی قوت کے حامل ہوں گے۔

آیئے ان دلائل کا جائزہ لیں:

دلیل نمبر ۱ :

عن عائشة رضی اللّٰه عنها قالت : لو أدرک النّبی صلّی اللّٰه عليه وسلّم ما أحدث النّساء لمنعهنّ المسجد کما منعت نساء بنی اسرائيل .

''سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا، اگر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم (عورتوں کی اس خرابی کو دیکھ لیتے) جو انہوں نے اب پیدا کر دی ہے تو آپ ان کو مسجد میں آنے سے روک دیتے، جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو روکا گیا تھا۔'' (صحیح بخاری : ۸۳۱، صحیح مسلم : ٤٤٥)

تبصرہ :

۱☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا مقصود عورتوں کو تنبیہ کرنا تھا، ان کو روکنا مقصود نہ تھا، کیونکہ اگر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا عورتوں کا مسجد میں جانا جائز نہ سمجھتیں تو ضرور ان کو روکتیں، حالانکہ ان سے ایک مرتبہ بھی ایسا کرنا ثابت نہیں، اس کے برعکس آپ خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی مسجد میں جاتی رہیں، بلکہ مسجد میں اعتکاف بھی بیٹھتی رہیں۔

لہٰذا آج عورتوں کو اس حدیث کو دلیل بنا کر مسجدوں سے روکنے والے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی مخالفت کر رہے ہیں اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی۔

۲☆ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بقول اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسی خرابیاں دیکھ لیتے تو عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے روک دیتے، اگر آپ منع فرما دیتے تو ہم بھی عورتوں کو مسجد سے روکتے، جب آپ نے نہیں روکا، حالانکہ حکیم وخبیر اللہ جو آپ کی زبانِ نبوت سے دین نکلوا رہا تھا، وہ تو جانتا تھا کہ بعد میں کیا کیا خرابیاں پیدا ہوں گی، اب ہم روکنے والے کون ہوتے ہیں، پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا اس بارے میں موقف آپ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما کے مذکورہ واقعہ سے لگا چکے ہیں۔

۳☆ زنا سے بڑی خرابی (عورت کے حوالے سے) اور کیا ہو سکتی ہے؟ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں زنا کی وجہ سے رجم کی حد بھی قائم کی گئی، لیکن عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہ روکا گیا تو آج کس ''بڑی خرابی'' کو مدنظر رکھ کر عورتوں کو روکا جاتا ہے؟

۴☆ اس قسم کی خرابی تمام عورتوں میں نہیں پائی جاتی، بلکہ کچھ عورتوں میں ہوتی ہے، لہٰذا ان قلیل عورتوں کی وجہ سے دوسری تمام نیک عورتوں کو نیکی سے کیونکر روکا جائے؟

۵☆ اگر ان خرابیوں کی وجہ سے عورت کا مسجد میں جانا منع ہو سکتا ہے تو بازار میں جانا بالاولیٰ حرام ہونا چاہیے، اسی طرح کسی بھی غرض کے لیے گھر سے باہر نکلنا ممنوع ہونا چاہیے، لیکن اس کا کوئی بھی قائل نہیں، آج عورتوں کو بازاروں سے تو منع نہیں کیا جاتا، جبکہ مسجد میں جانے پر پابندی ہے، حالانکہ مسجدیں امن کا مرکز ہوتی ہیں، نیز نمازی لوگ اکثر نیک ہوتے ہیں، اب بتائیں کہ بازاری لوگ زیادہ خطرے کا باعث ہیں یا وہ نمازی لوگ جن سے اکثر بازاری عورتیں بھی شرما کر پردہ کر لیتی ہیں۔

۶☆ بوڑھی اور جوان عورتوں کی تفریق، نیز دن اور رات کی تخصیص اس روایت سے قطعاً ثابت نہیں

ہوتی۔

جولوگ کہتے ہیں: **ویکرہ لھنّ حضور الجماعات یعنی الشّوابّ منھنّ لما فیہ من خوف الفتنة ولا بأس للعجوز أن تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء .**

''جوان عورتوں کے لیے جماعت میں شامل ہونا مکروہ ہے، کیونکہ فتنہ کا ڈر ہے، البتہ بوڑھی عورتوں کے فجر، مغرب اور عشاء میں شامل ہونے میں کوئی حرج نہیں۔'' (الھدایة مع الدرایة : ۱۲۸/۱)

وہ اس روایت کو کس منہ سے پیش کرتے ہیں؟

دلیل نمبر ۲ :

عن أمّ حمید امرأة أبی حمید السّاعدی رضی اللّٰہ عنھا انّھا جاء ت الی النّبی صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ، فقالت : یا رسول اللّٰہ ! انّی أحب الصّلاة معک ، فقال : قد علمت أنّک تحبّین الصّلاة معی ، وصلاتک فی بیتک خیر من صلاتک فی حجرتک وصلاتک فی حجرتک خیر من صلاتک دارک وصلاتک خیر من صلاتک فی مسجد قومک وصلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجد قومک خیر من صلاتک فی مسجدی ، قال : فأمرت ، فبنی لھا مسجد فی أقصی شیء من بیتھا وأظلمہ وکانت تصلّی فیہ حتی لقیت اللّٰہ عزّوجلّ .

''سیدنا ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ ام حمید بیان کرتی ہیں کہ وہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کی، اے اللہ کے رسول! میں آپ کے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہوں، آپ نے فرمایا، میں جانتا ہوں کہ آپ میرے ساتھ نماز پڑھنا پسند کرتی ہیں، آپ کی کوٹھڑی میں نماز آپ کی صحن میں نماز سے بہتر ہے اور آپ کی صحن میں نماز آپ کی گھر کے احاطے میں نماز سے بہتر ہے اور آپ کی احاطہ میں نماز، قوم کی مسجد میں نماز سے بہتر ہے اور آپ کی اپنی قوم کی مسجد میں نماز میری مسجد میں نماز سے بہتر ہے، راوی کہتے ہیں کہ ام حمید رضی اللہ عنہا نے حکم دیا تو ان کے گھر کے اندرونی اور تاریک حصہ میں (ایک جگہ مختص کر کے) مسجد بنادی گئی، پھر وہ تادمِ وفات اسی جگہ میں نماز پڑھتی رہیں۔'' (مسند الامام احمد : ۳۷۱/٦، وسندہٗ صحیح)

اس حدیث کو امام ابنِ خزیمہ (۱٦۸۹) اور امام ابنِ حبان (۲۲۱۷) رحمہما اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔

تبصرہ :

اس حدیث پر امام الائمہ ابنِ خزیمہ رحمہ اللہ کی تبویب ملاحظہ ہو:

باب اختيار صلا ة المرأة فى حجرتها على صلاتها فى دارها وصلاتها فى مسجد قومها على صلاتها فى مسجد النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم وان كانت صلاة فى مسجد النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم تعدل ألف صلاة فى غيرها من المساجد ، والدّليل على أنّ قول النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم صلاة فى مسجدى هذا أفضل من ألف صلاة فيما سواه من المساجد ، أراد به صلاة الرّجال دون صلاة النّساء .

''عورت کی گھر میں نماز صحن میں نماز سے بہتر ہے اور اس کی اپنی قوم کی مسجد میں نماز نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں نماز سے افضل ہے، اگرچہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے، اس سے مراد مرد ہیں، عورتیں نہیں۔'' (صحيح ابن خزيمة : ١٧٧)

یہی بات تو ہم کہتے ہیں کہ عورت کی نماز گھر میں افضل ہے، لیکن اگر وہ مسجد میں جا کر ادا کرے تو جائز ہے، اس کو مسجد سے روکنا حرام ہے، ہم نے کب اس کا مسجد میں جانا افضل یا ضروری قرار دیا ہے؟

عورت کے مسجد جانے کی ممانعت اور اس ضمن میں بوڑھی اور جوان عورت کے فرق پر ایک صحیح وصریح دلیل مطلوب ہے۔

دلیل نمبر ۳ :

عن ابن مسعود رضى اللّٰه عنه قال : ما صلّت المرأة فى مكان خير لها من بيتها الّا أن تكون المسجد الحرام أو مسجد النّبى صلّى اللّٰه عليه وسلّم الّا امرأة تخرج فى منقليها يعنى خفّيها .

''سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، عورت کے لیے نماز کی کوئی بھی جگہ بھی اپنے گھر سے بہتر نہیں، ہاں! اگر مسجدِ حرام یا مسجدِ نبوی ہو اور عورت موزے پہن کر نکلے (تو بہتر ہے)۔''

(المعجم الكبير للطبرانى : ٢٩٣/٩)

علامہ ہیثمی (مجمع الزوائد: ۳۴/۲) نے اس کے راویوں کے بارے میں **رجاله رجال الصّحيح .** (اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں) کہا ہے۔

تبصرہ :

۱☆ حماد بن سلمہ آخری عمر میں ''اختلاط'' کا شکار ہو گئے تھے، ان کے شاگرد حجاج بن منہال کا ان سے اختلاط سے پہلے سماع ہمیں نہیں مل سکا۔

۲☆ اس روایت میں سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے عورت کی گھر میں نماز کو بہتر و افضل قرار دیا ہے، جس کے ہم بھی قائل ہیں، مسجد میں عورتوں کے جانے کی ممانعت پر دلیل مطلوب ہے، مزید وضاحت اگلی روایت کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

دلیل نمبر ٤ :

عن أبی عمرو الشیبانی قال : رأیت ابن مسعود یطرد النّساء من المسجد یوم الجمعة .

''ابوعمرو شیبانی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کو دیکھا، آپ جمعہ کے دن عورتوں کو مسجد سے بھگا رہے تھے۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۹٤/۹، وسندہٗ صحیح)

تبصرہ :

۱☆ یقیناً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچی، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو مسجد سے روکنے سے منع بھی فرمایا ہو، لیکن اس کے باوجود سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ عورتوں کو بھگاتے ہوں؟ کسی مسلمان کا ایمان ایسا سوچنے کی اجازت نہیں دیتا۔

۲☆ سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما جنہوں نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں کو مسجدوں سے روکنے کی ممانعت نقل کی ہے، ان کا فتویٰ یہی ہے کہ عورتوں کو مسجد سے روکنا خلافِ سنت ہے، جیسا کہ ہم اپنے دلائل میں ثابت کر چکے ہیں، نیز محدثین وائمہ احناف کے نزدیک مسلمہ اصول **راوی الحدیث أدریٰ بما فیه** (راوئ حدیث اپنی روایت کے مفہوم کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے) کے تحت انہی کی بات راجح ہوگی۔

۳☆ کئی مسائل ایسے ہیں جن کی خبر سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تک نہ پہنچی اور وہ جمہور صحابہ کے خلاف عمل کرتے رہے، کیا ان مسائل میں بھی آپ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے قول و فعل کو حجت مانتے ہیں، صرف ایک مثال پیشِ خدمت ہے کہ صحیح مسلم (۵۳۴) میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کا رکوع میں تطبیق کی (دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر رکھا)، بلکہ ساتھ نماز پڑھنے والے دونوں تابعین کے ہاتھوں پر بھی مارا کہ وہ تطبیق کیوں نہیں کر رہے، نیز انہوں نے دو مقتدی پیچھے کھڑے کرنے کی بجائے اپنی دونوں جانب کھڑا کیا۔

اب ان دونوں مسئلوں میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عملِ مبارک ہم تک پہنچ چکا ہے کہ رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنے ہیں اور تین نمازی ہونے کی صورت میں امام آگے اور دونوں مقتدی پچھلی صف میں کھڑے ہوں گے۔ کیا سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے یہ دونوں تفردات بھی قابلِ عمل ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو عورتوں کو مسجدوں سے روکنے کے معاملے میں رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور دیگر جمہور صحابہ کرام کے خلاف سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے عمل کو حجت بنانا انصاف کیسے ہے؟

۳☆ اس روایت میں بوڑھی اور جوان عورت، نیز دن اور رات کا خود ساختہ فرق موجود نہیں ہے۔

دلیل نمبر ۵ :

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنہ قال : کان الرّجال والنّساء فی بنی اسرائیل یصلّون جمیعا ، فکانت المرأۃ اذا کان لھا الخلیل تلبس القالبین ، تطول بھما لخلیلھا ، فألقی اللّٰہ علیھنّ الحیض ، فکان ابن مسعود یقول : أخّروھنّ حیث أخّرھنّ اللّٰہ .

''سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے مرد و عورت اکٹھے نماز پڑھتے تھے، عورت کا جب دوست ہوتا تو وہ لکڑی کا جوتا پہنتی تاکہ لمبی ہو کر اپنے آشنا کو نظر آ جائے، اس پر اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر حیض ڈال دیا، پھر ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ان کو وہاں سے ہٹا دو جہاں سے اللہ ان کو ہٹا دیا۔''

(المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۹۵/۹)

تبصرہ :

۱☆ اس روایت کی سند امام عبدالرزاق، امام سفیان ثوری، امام اعمش اور امام ابراہیم نخعی رحمہم اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

صحیح ابنِ خزیمہ (۱۷۰۰) والی سند بھی امام اعمش کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

۲☆ اگر بنی اسرائیل کی عورتوں کو مسجد سے روک دیا گیا تھا تو ہماری شریعت میں عورتوں کو مسجد میں جانے کی اجازت دی گئی ہے، جیسا کہ ہم دلائلِ صحیحہ وصریحہ سے ثابت کر آئے ہیں۔

۳☆ سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تو اس روایت میں عورتوں کو مطلق طور پر مسجد آنے سے روک رہے ہیں، پھر بوڑھی عورتوں کی تخصیص اور دن رات کا فرق کہاں سے آ گیا۔

دلیل نمبر ٦ :

عن أمّ سلمة رضی اللّٰہ عنها قالت : قال رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیه وسلّم : صلاة المرأة فی بیتها خیر من صلاتها فی حجرتها وصلاتها فی حجرتها خیر من صلاتها فی دارها وصلاتها فی دارها خیر من صلاتها خارج .

''سیدہ امِ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورت کی اپنے گھر میں نماز صحن میں نماز سے بہتر ہے، اس کی اپنے صحن میں نماز اپنے احاطہ میں نماز سے بہتر ہے، اس کی اپنے احاطہ میں نماز باہر نماز سے بہتر ہے۔'' (المعجم الاوسط للطبرانی : ٤٨/٩)

تبصرہ :

۱☆ اس کی سند ''ضعیف'' ہے، زید بن المہاجر راوی کے حالات نہیں مل سکے، اس کی صحت کے مدعی پر دلیلِ توثیق لازم ہے۔

۲☆ اس روایت میں عورتوں کو مسجدوں سے روکنا قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔

۳☆ بوڑھی اور جوان عورت کا فرق، نیز دن اور رات کی تفریق کہاں ہے؟

دلیل نمبر ۷ :

عن ابن مسعود رضی اللّٰہ عنه قال : انّ المرأة عورة وانّها اذا خرجت من بیتها استشرفها الشّیطان ، فتقول : ما رآنی أحد الا أعجبته ، وأقرب ما تکون الی اللّٰہ اذا کانت فی قعر بیتها .

''سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ عورت پردے کا نام ہے، جب یہ گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اسے غور سے دیکھتا ہے، وہ کہتی ہے کہ مجھے جو بھی دیکھے گا، اسے پسند آؤں گی، عورت اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہوتی ہے جب وہ اپنے گھر کے اندرونی کمرے میں ہو۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۹۵/۹، وسندہٗ صحیح)

تبصرہ :

۱☆ اس روایت میں عورت کو مسجد سے روکنے کا کوئی ثبوت نہیں، بلکہ نماز تک کا ذکر نہیں ہے۔

۲☆ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ عورت کو مسجد سے روکنے سے ممانعت والی حدیث سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ تک نہیں پہنچی، پھر ان کی یہ بات دلیل کیسے بن سکتی ہے۔

۳☆ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بھی تو عورتیں مسجد میں آتی تھیں، اس روایت کے مطابق ان پر کیا حکم لگائیں گے؟

دلیل نمبر ۸ :

عن سلیمان بن أبی حثمة عن أمّه قالت : رأیت النّساء القواعد یصلّین مع رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم .

''سلیمان بن ابی حثمہ اپنی والدہ سے بیان کرتے ہیں، وہ کہتی ہیں کہ میں نے بوڑھی عورتوں کو رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے دیکھا۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۲۴/۳۱۷)

تبصرہ :

۱☆ اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، ابن ابی لیلیٰ اور عبدالکریم بن ابی المخارق دونوں ''ضعیف'' ہیں۔

۲☆ اس روایت میں عورتوں کو مسجد سے روکنے کا اشارہ تک نہیں، نیز رات کی تخصیص کہاں ہے؟ ظاہر ہے کہ دن کے اجالے میں ہی دیکھا جا سکتا تھا۔

دلیل نمبر ۹ :

عن أبی عمرو الشّیبانی قال : حلف عبد اللّٰه ، فبالغ فی الیمین : ما من مصلّی لامرأة خیر من بیتها اّلا فی حجّ أو عمرة ، اّلا فی امرأة قد یئست من البعولة ، فهی فی منقلیها .

''سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے بہت مبالغہ سے قسم اٹھا کر فرمایا، عورت کے لیے گھر سے بہتر کوئی جائے نماز نہیں، ہاں! اگر عورت حج یا عمرہ میں ہو یا عورت بوڑھی ہو کر نکاح سے مایوس ہو چکی ہو اور اس نے موزے پہن رکھے ہوں۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۹/۲۹۴)

تبصرہ :

۱☆ اس روایت سے بھی عورتوں کو مسجد سے روکنے کا جواز ثابت نہیں ہوتا۔

۲☆ اس کی سند میں محمد بن النضر کے حالات نہیں مل سکے، مسند علی بن الجعد (۲۲۹۰) میں اس کی متابعت شریک بن عبداللہ القاضی نے کی ہے، لیکن یہ روایت شریک کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

نیز اس کی صحت کا دعویٰ اس وقت تک قابلِ التفات نہیں ہو سکتا جب تک سعید بن مسروق کا ابوعمرو الشیبانی سے سماع ثابت نہ ہو جائے۔

دلیل نمبر ۱۰ :

عن أمّ حكيم بنت أبی حكيم انّها قالت : أدركت القواعد وهنّ يصلّين مع رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم .

''سیدہ ام حکیم بنتِ ابی حکیم رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے بوڑھی عورتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کرتے دیکھا۔'' (المعجم الکبیر للطبرانی : ۱۳۰/۲۵)

تبصرہ :

۱☆ اس روایت کی سند بھی ابن ابی لیلیٰ اور عبدالکریم بن ابی المخارق کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

۲☆ ان ''ضعیف'' روایات سے بھی رات کی تخصیص ثابت نہیں ہوسکی۔

دلیل نمبر ۱۱ :

عن أمّ سليم رضی اللّٰه عنها عن رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم أنّه قال : خير مساجد النّساء قعر بيوتهنّ .

''سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عورتوں کے لیے نماز کی بہترین جگہ ان کے گھروں کے اندونی کمرے ہیں۔'' (مسند الامام احمد : ۲۹۷/۶)

تبصرہ :

۱☆ اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ رشدین بن سعد جمہور کے نزدیک سخت ''ضعیف'' اور سائب مولیٰ ام سلمہ مجہول الحال ہے۔

دوسری سند اس سے بھی بدتر ہے، کیونکہ:

۱☆ اس میں ابنِ لہیعہ ''ضعیف ومختلط'' ہے۔ ۲☆ حسن کا ان سے اختلاط سے پہلے سننا ثابت نہیں۔ ۳☆ سائب مذکور ''مجہول الحال'' ہے۔

الحاصل :

ثابت ہوا کہ عورتوں کو مسجد جانے سے روکنا درست نہیں اور اس پر کوئی شرعی دلیل دلالت نہیں کرتی۔

اب عورتوں کو مسجدوں سے روکنے والے ہی بتائیں کہ ان کا عمل حدیث کی موافقت ہے یا مخالفت؟؟؟

☆☆.....☆☆.....☆☆

قبر پر اذان کی شرعی حیثیت

غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری

دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا بدعتِ سیّئہ ہے، نہ احادیث میں اس کی کوئی اصل ہے اور نہ صحابہ کرام، تابعینِ عظام، ائمہ دین اور سلف صالحین کے زمانہ ہی میں اس کا کوئی وجود ملتا ہے، بلکہ یہ ہندوستان کی ایجاد ہے، اس کے باوجود ''قبوری فرقہ'' اس کو جائز قرار دیتا ہے، امام بریلویت احمد رضا خاں بریلوی نے اس مسئلہ پر ''ایذان الاجر فی اذان القبر'' کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا ہے، جس میں وہ ''حسن'' یا ''صحیح'' تو درکنار کوئی ''ضعیف'' اور ''موضوع'' (من گھڑت) روایت بھی اس بدعت کے ثبوت میں پیش نہیں کر سکے۔

اگر دفن کے بعد قبر پر اذان کہنا کوئی نیکی کا کام ہوتا یا شریعت کی رو سے میت کو کوئی فائدہ پہنچتا تو صحابہ کرام ضرور اس کا اہتمام کرتے، کیونکہ وہ سب سے بڑھ کر قرآن وسنت کے معانی، مفاہیم ومطالب اور تقاضوں کو سمجھنے والے اور ان کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے والے تھے۔

چاروں اماموں سے بھی اس کا جواز یا استحباب منقول نہیں، مزے کی بات تو یہ ہے کہ حنفی مذہب کی تمام معتبر کتابوں میں اس بدعتِ قبیحہ کا نام ونشان تک نہیں ملتا، بلکہ بعض حنفی اماموں نے قبر پر اذان کے عدمِ جواز اور اس کے بدعت ہونے کی صراحت کی ہے۔

۱☆ درالبحار میں ہے: **من البدع الّتی شاعت فی بلاد الهند الأذان علی القبر بعد الدّفن .**

''ہندوستان میں عام ہونے والی بدعتوں میں سے ایک بدعت دفن کرنے کے بعد اذان کہنا بھی ہے۔''

(منقول از ''جاء الحق'' : ۳۱۸/۱)

۲☆ حنفی مذہب کے جلیل القدر امام محمود بلخی کہتے ہیں:

الأذان علی قبر لیس بشئ . ''قبر پر اذان کہنا کچھ نہیں ہے۔'' (منقول از ''جاء الحق'' : ۳۱۸/۱)

۳☆ ابنِ عابدین شامی حنفی لکھتے ہیں: **لا یسنّ الأذان عند ادخال المیّت فی قبره ، کما هو المعتاد الآن ، قد صرّح ابن حجر بأنّه بدعة وقال : من ظنّ أنّه سنّة ، فلم یصب .**

''میت کو قبر میں داخل کرتے وقت مروّجہ اذان سنت نہیں، حافظ ابنِ حجر المکی نے اس کے بدعت ہونے

کی صراحت کی ہے اور فرمایا ہے کہ جس نے اسے سنت سمجھا، وہ درستی کو نہیں پہنچا۔''

(شامی : ۲/۲۳۵، "جاء الحق" : ۱/۳۱۷۔۳۱۸)

تنبیہ : ابنِ عابدین شامی حنفی نے بعض شافعیوں کی کتابوں سے اذان کے مواقع ذکر کیے ہیں، ان میں سے ایک میت کو قبر میں اتارتے وقت کی اذان کا ذکر کیا ہے، ساتھ یہ بھی لکھا ہے:

لکن ردّه ابن حجر فی شرح العباب . ''لیکن ابنِ حجر (مکی) نے شرح العباب کتاب میں اس کا رد کیا ہے۔''

اس کے جواب میں احمد یار خان نعیمی بریلوی لکھتے ہیں:

''اولاً تو ابنِ حجر (مکی) شافعی ہیں، بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ اذانِ قبر سنت ہے اور امام ابنِ حجر شافعی اس کی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قولِ شافعی پر۔'' ("جاء الحق" : ۱/۳۱۶)

تبصرہ : ابنِ عابدین شامی حنفی نے شافعیوں کی کتاب سے میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان کا ذکر کیا ہے نہ کہ قبر پر اذان کا، ساتھ ہی ابنِ حجر مکی کا انکار و رد ذکر کر دیا، اتنی سی بات پر نعیمی بریلوی نالاں نظر آتے ہیں، اگر ابنِ حجر مکی شافعی ہیں تو شافعیوں کی بعض کتابوں سے منقول بدعت کیوں محبوب ہے؟ اس پر سہاگہ یہ کہ اس بدعت کا تعلق قبر پر اذان سے نہیں ہے بلکہ میت کو قبر میں داخل کرتے وقت کی اذان ہے، جس کے بریلوی قائل نہیں، رہا ان کا یہ کہنا کہ ''بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں، فرماتے ہیں کہ اذانِ قبر سنت ہے اور امام ابنِ حجر (مکی) شافعی اس کی تردید کرتے ہیں۔''

تو ہم کہتے ہیں کہ ''مفتی'' صاحب تو فوت ہو گئے ہیں، کیا ان کے حواری ایک بھی حنفی عالم کا نام بتا سکتے ہیں؟ اگر نہ بتا سکے تو۔۔۔۔۔

اہل بدعت کے دلائل

دلیل نمبر ۱ : اہل بدعت کا عمومی دلائل سے اس کا ثبوت پیش کرنا صحیح نہیں، کیونکہ بدعات یا تو عمومی دلائل کے تحت آتی ہی نہیں یا ان سے مستثنیٰ ہوتی ہیں۔

دلیل نمبر ۲ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

نزل آدم بالهند واستوحش ، فنزل جبريل ، فنادىٰ بالأذان : اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر ، أشهد أن لا اله الّا اللّٰه ، مرّتين ، أشهد أنّ محمّدا رسول اللّٰه ، مرّتين ، قال آدم : من محمّد ؟ قال : آخر ولدک من الأنبياء .

''آدم علیہ السلام (جنت سے) ہندوستان میں اترے اور وحشت زدہ ہو گئے، پھر جبریل علیہ السلام اترے اوراذان کہی، **اللّٰه أكبر ، اللّٰه أكبر ، أشهد أن لا اله الّا اللّٰه ، أشهد أن لّا اله الّا اللّٰه ، أشهد أنّ محمّدا رسول اللّٰه ، أشهد أنّ محمّدا رسول اللّٰه** ،تو آدم علیہ السلام نے کہا،محمد صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں؟ جبریل نے کہا، آپ کی اولاد میں سے آخری نبی ہیں۔''

(حلية الأولياء لابی نعيم الاصبهانی : ١٠٧/٥، تاريخ دمشق لابن عساكر : ٤٣٧/٧)

تبصرہ : ١☆ یہ روایت ''ضعیف'' ہے، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **فيه مجاهيل .**

''اس میں کئی مجہول راوی ہیں۔'' (فتح الباری : ٧٩/٢)

٢☆ اس کے راوی علی بن (یزید بن) بہرام الکوفی کی توثیق نہیں مل سکی۔

٣☆ عمرو بن قیس راوی کا تعین اور اس کی توثیق مطلوب ہے۔

٤☆ اس روایت میں قبر پر اذان کا اشارہ تک نہیں، اہل بدعت خواہ مخواہ اپنی کتابوں میں خام مال لوڈ کرتے رہتے ہیں، یہ روایت ان کی بدعت کو کمزور سہارا بھی نہیں دیتی۔

دلیل نمبر ٣ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رآنی النّبی صلّی اللّٰه عليه وسلّم حزينا ، فقال : يا ابن أبی طالب ! انّی أراک حزينا ، فمر بعض أهلک يؤذّن فی أذنک ، فانّه درء الهمّ .

''مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غمگین دیکھا تو فرمایا، اے ابوطالب کے بیٹے! میں آپ کو غمگین دیکھتا ہوں، اپنے کسی گھر والے کو حکم دیں کہ وہ آپ کے کان میں اذان کہے کیونکہ یہ اذان غموں کا مداوا ہے۔''

(مسند الفردوس بحواله "جاء الحق" : ٣١٤)

تبصرہ : یہ روایت بے سند ہونے کی وجہ سے مردود ہے، نیز اس میں قبر پر اذان کا ذکر تک نہیں ہے۔

دلیل نمبر ٤ : سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا رأیتم الحریق فکبّروا ، فانّ التّکبیر یطفئہ .

''جب تم آگ کو دیکھو تو تکبیر کہو، کیونکہ **اللہ اکبر** کہنا اس کو بجھا دیتا ہے۔''

(عمل الیوم واللیلۃ لابن السنی : ۲۹۵۔۲۹۸، الدعاء للطبرانی : ۱۲۶۶)

تبصرہ : ☆۱ یہ روایت موضوع (من گھڑت) ہے، کیونکہ اس کی سند میں قاسم بن عبداللہ بن عمر راوی ''متروک'' ہے، امام احمد رحمہ اللہ نے اسے جھوٹا کہا ہے۔(تقریب التھذیب : ۵۴۶۸)

امام طبرانی کے ہاں (الدعاء:۱۲۶۶۔۱۲۶۷) میں اس کی متابعت اس کے بھائی عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عمر نے کر رکھی ہے، وہ بھی ''کذاب'' ہے، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ نے اسے بھی ''متروک'' کہا ہے۔

(التقریب : ۳۹۲۲)

اگر کوئی کہے کہ **الکامل لابن عدی** (۱۴۶۹/۴، وفی نسخۃ:۱۵۱/۴) اور **الدعوات الکبیر للبیہقی** (۲۳۸) میں متابعتاً ابنِ لہیعہ کی روایت آتی ہے تو یہ ابنِ لہیعہ (ضعیف عند الجمہور) کی تدلیس ہے، جیسا کہ ابن ابی مریم کہتے ہیں: **ھذا الحدیث سمعہ ابن لھیعۃ من زیاد بن یونس الحضرمی ، رجل یسمع معنا الحدیث،عن القاسم بن عبداللّٰہ بن عمر ، وکان ابن لھیعۃ یستحسنہ ، ثمّ انّہ قال : انّہ یرویہ عن عمرو بن شعیب .**

''اس حدیث کو ابنِ لہیعہ نے ہمارے ایک ساتھی زیاد بن یونس الحضرمی سے سنا، وہ قاسم بن عبداللہ بن عمر سے بیان کرتے ہیں، ابنِ لہیعہ اسے مستحسن عمل خیال کرتے تھے، پھر انہوں نے کہا، اسے وہ عمرو بن شعیب سے بیان کرتا ہے۔'' (الضعفاء الکبیر للعقیلی : ۲۹۶/۲)

ثابت ہوا کہ یہ متابعت اس سند کی ہے، جس میں قاسم بن عبداللہ ''کذاب'' راوی موجود ہے۔

دلیل نمبر ۵ : سیدنا جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ دفن ہوئے، ہم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، آپ نے تسبیح بیان کی، لوگوں نے بھی تادیر آپ کے ساتھ تسبیح بیان کی، پھر آپ نے بڑائی بیان کی، لوگوں نے بھی بڑائی بیان کی، پوچھا، اے اللہ کے رسول! آپ نے تسبیح بیان کیوں کی، فرمایا: **لقد تضایق علی ھذا العبد الصّالح قبرہ ، حتی فرّجہ اللّٰہ عزّوجلّ عنہ .** ''اللہ کے اس نیک بندے پر اس کی قبر تنگ ہوگئی تھی، حتی کہ اللہ عزوجل نے اسے فراخ کر دیا۔'' (مسند الامام احمد : ۳۶۰/۳، ح : ۱۴۹۳۴، ۳۷۷، ح : ۱۵۰۹۴)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں محمود بن عبدالرحمٰن بن عمرو الجموح راوی کی توثیق وعدالت ثابت نہیں، حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: **قال الحسینی : فیه نظر ، قلت : ولم أجد من ذکره غیره .**

''حسینی نے کہا ہے کہ اس میں ''نظر'' ہے، میں کہتا ہوں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ ان کے علاوہ کسی اور نے اسے ذکر کیا ہو۔'' (مجمع الزوائد : ٤٦/٣)

دلیل نمبر ٦ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اذا نودی للصّلاة أدبر الشّیطان له ضراط حتی لا یسمع التّاذین .

''جب نماز کے لیے اذان کہی جاتی ہے تو شیطان گوز مارتا ہوا پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے تاکہ وہ اذان نہ سنے۔'' (صحیح بخاری : ٦٠٨، صحیح مسلم : ٣٨٩)

تبصرہ : یہاں مطلق اذان کا ذکر نہیں، بلکہ نماز کے لیے اذان کا ذکر ہے، لہٰذا اس سے قبر پر اذان کا جواز ثابت کرنا ناعاقبت اندیشی ہے، کیونکہ شریعتِ مطہرہ میں قبر پر اذان کا ثبوت نہیں، نہ ہی صحابہ کرام کی زندگیوں میں اس کا ثبوت ملتا ہے، لہٰذا اس کے بدعتِ قبیحہ اور ایجادِ دین ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دلیل نمبر ٧ : قبر پر اذان کو تلقین پر قیاس کیا گیا ہے، قبر پر تلقین شیعوں کا شعار ہے، جسے بریلویوں اور دیوبندیوں نے اپنا دین بنالیا ہے، جبکہ دفن کے بعد میت کو قبر پر تلقین کرنا دلائل شرعیہ سے ثابت نہیں، بلکہ بدعت ہے، ایک بدعت پر بدعت پر قیاس کرنا کیونکر صحیح ہوگا۔

قارئین کرام! ان دلائل کو بار بار پڑھیں، پھر ''مفتی'' احمد یار خان نعیمی صاحب کی اس بات پر بھی غور کریں کہ ''مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے جس کے بہت سے دلائل ہیں۔'' (''جاء الحق'' : ٣١٠/١) پھر انصاف سے فیصلہ کریں کہ ''مفتی'' صاحب اپنے دعویٰ میں کتنے سچے ہیں؟ نیز لکھتے ہیں: ''قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے، احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے۔''

(''جاء الحق'' : ٣١١/١)

ہمیں بھی بتایا جائے کہ وہ احادیث اور فقہی عبارات کہاں ہیں؟ ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ حنفی مذہب بلکہ مذاہبِ اربعہ میں اس کا نام ونشان تک نہیں ہے، مدعی پر دلیل لازم ہے، ہندوستانی بدعت کو ''اہل سنت کے نزدیک جائز'' قرار دینا انصاف نہیں، ان کو معلوم نہیں کہ یوم حساب آنے والا ہے، اللہ تعالیٰ پوچھ لے گا؟

☆☆.....☆☆.....☆☆

کیا نمازِ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کیا جائے گا؟

غلام مصطفٰے ظہیر امن پوری

نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

دلیل نمبر ۱ : **قال الامام الدّارقطنی : قال أحمد بن محمّد بن الجراح وابن مخلد قالا : ثنا (عمر) ابن شبة قال : حدّثنا یزید بن هارون (قال :) أخبرنا یحیی بن سعید عن نافع عن ابن عمر انّ النّبی صلّی اللّٰه علیه وسلّم کان اذا صلّی علی جنازة رفع یدیه فی کلّ تکبیرة واذا انصرف سلّم .**

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نمازِ جنازہ پڑھتے تو ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے اور جب پھرتے تو سلام پھیرتے۔''

(العلل للدارقطنی : ۲۲/۳، ح : ۲۹۰۸، وسندهٗ صحیح)

دلیل نمبر ۲ : نافع سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

کان یرفع یدیه فی کلّ تکبیرة علی جنازة .

''آپ جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۲۹۵/۳، وسندهٗ صحیح)

دلیل نمبر ۳ : خالد بن ابی بکر کہتے ہیں:

رأیت سالما کبّر علی جنازة أربعا ، یرفع یدیه عند کلّ تکبیرة .

''میں نے سالم بن عبداللہ بن عمر کو دیکھا کہ انہوں نے جنازے پر چار تکبیریں کہیں، ہر تکبیر کے وقت آپ رفع الیدین کر رہے تھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۹۵/۳، وسندهٗ صحیح)

دلیل نمبر ٤ : عبداللہ بن عون کہتے ہیں:

کان محمّد یرفع یدیه فی الصّلاة ، واذا رکع ، واذا رفع ، وکان یفعل ذالک مع کلّ تکبیرة علی الجنازة .

''امام محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ نماز (کے شروع) میں اور رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے

وقت رفع الیدین کرتے تھے، آپ نمازِ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ اس طرح (رفع الیدین) کرتے تھے۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۲۹۵/۳، وسندهٗ صحیح)

دلیل نمبر ۵ : عمر بن ابی زائدہ کہتے ہیں:

صلّیت خلف قیس بن أبی حازم علی جنازة ، فکبّر أربعا ، یرفع یدیه فی کلّ تکبیرة .

''میں نے قیس بن ابی حازم تابعی رحمہ اللہ کی اقتداء میں ایک نمازِ جنازہ ادا کی، انہوں نے چار تکبیریں کہیں، ہر تکبیر میں رفع الیدین کر رہے تھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۹۵/۳، وسندهٗ حسن)

دلیل نمبر ٦ : امام ابنِ جریج رحمہ اللہ امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

یرفع یدیه فی کلّ تکبیرة ، ومن خلفه یرفعون أیدیهم .

''آپ ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے اور جو لوگ ان کے پیچھے ہوتے وہ بھی رفع الیدین کرتے تھے۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۹۵/۳، وسندهٗ صحیح)

دلیل نمبر ۷ : امام معمر بن راشد رحمہ اللہ امام زہری رحمہ اللہ کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

انّه کان یرفع یدیه مع کلّ تکبیرة علی الجنازة .

''آپ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے۔''

(جزء رفع الیدین للبخاری : ۱۱۸، وسندهٗ صحیح)

امام عبدالرزاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **وبه نأخذ .** ''ہم (محدثین) اسی پر عمل کرتے ہیں۔''

(مصنف عبدالرزاق : ٤٦٩/٣)

دلیل نمبر ۸ : عبداللہ بن العلاء رحمہ اللہ کہتے ہیں:

رأیت مکحولا صلّٰی علی جنازة ، فکبّر علیها أربعا ویرفع یدیه مع کلّ تکبیرة .

''میں نے امام مکحول تابعی رحمہ اللہ کو ایک جنازے پر چار تکبیریں کہتے اور ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے دیکھا۔'' (جزء رفع الیدین للبخاری : ح ١١٦، سندهٗ حسن)

دلیل نمبر ۹ : اشعث بن عبدالملک الحمرانی کہتے ہیں: **کان الحسن یرفع یدیه فی کلّ تکبیرة علی الجنازة .** ''امام حسن بصری رحمہ اللہ نمازِ جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین فرماتے تھے۔''

(جزء رفع الیدین للبخاری : ح ۱۲۲، وسندهٗ صحیحٌ)

دلیل نمبر ۱۰ : ابوالغصن کہتے ہیں: **رأیت نافع بن جبیر یرفع یدیه مع کلّ تکبیرة علی الجنازة .** ''میں نے نافع بن جبیر رحمہ اللہ کو جنازے میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے دیکھا۔''

(جزء رفع الیدین للبخاری : ح ۱۱٤، سندهٗ حسن)

امام عبداللہ بن مبارک (جامع ترمذی، تحت حدیث: ۱۰۷۷)، امام شافعی (الام: ۱/۲۷۱)، امام احمد بن حنبل (سیرۃ الامام احمد بن حنبل لابی الفضل صالح بن احمد: ص ۴۰) اور امام اسحاق بن راہویہ (جامع ترمذی، تحت حدیث: ۱۰۷۷) رحمہم اللہ بھی نمازِ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنے کے قائل ہیں۔

فائدہ : امام مالک رحمہ اللہ سے صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا ثابت نہیں ہے، کیونکہ ''المدونة الکبریٰ'' بے سند کتاب ہے، اس میں مذکور باتیں امام مالک رحمہ اللہ سے ثابت نہیں ہیں۔

مانعین کے دلائل

اب ہم انتہائی اختصار کے ساتھ بعض الناس کے دلائل کا جائزہ پیش کرتے ہیں جو صرف پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کے قائل ہیں:

دلیل نمبر ۱ : سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

انّ رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم کبّر علی جنازة ، فرفع یدیه فی أوّل تکبیرة ووضع الیمنی علی الیسری .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازِ جنازہ پر تکبیر کہی، صرف پہلی تکبیر میں رفع الیدین کیا اور دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا۔'' (جامع ترمذی : ۱۰۷۷، سنن الدارقطنی : ۷٤/۲، ح : ۱۸۱۳)

تبصرہ : اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے، امام دارقطنی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

والحدیث غیر ثابت . ''یہ حدیث ثابت نہیں۔'' (العلل للدارقطنی : ۸/۱۵۱)

حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس کی سند کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔ (خلاصة الاحکام : ۹۸٤/۲)

☆ اس کے راوی یحییٰ بن یعلیٰ الاسلمی کے بارے میں حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ضعیف شیعی . ''ضعیف اور شیعہ راوی ہے۔'' (تقریب التهذیب : ۷٦۷۷)

☆☆ اس کا استاذ ابوفروہ یزید بن سنان الرہاوی بھی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ ''متروک'' ہے۔(سوالات البرقانی : ٥٦٠)

نیز لکھتے ہیں کہ یہ ''ضعیف'' ہے۔(سنن الدارقطنی : ١٧٢/١، تحت حدیث : ٦٣٧)

اسے امام علی بن المدینی رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف الحدیث'' کہا ہے۔(الجرح والتعدیل : ٢٦٦/٩)

امام ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ نے اس کو ''لیس بقوی الحدیث'' کہا ہے۔(الجرح والتعدیل : ٢٦٧/٩)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

محلّه الصدق والغالب عليه الغفلة ، يكتب حديثه ، ولا يحتجّ به

''اس کا محل صدق والا ہے، لیکن اس پر غفلت غالب تھی، اس کی حدیث لکھی جائے گی، لیکن اس سے حجت نہیں لی جائے گی۔'' (الجرح والتعدیل : ٢٦٧/٩)

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: **ليس حديثه بشئ** . ''اس کی حدیث کچھ نہیں۔''

(التاریخ الکبیر لابن ابی خیثمة : ٩٢٤١، وسندهٗ صحیح)

امام نسائی رحمہ اللہ نے ''ضعیف ومتروک الحدیث'' کہا ہے اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے بھی ''ضعیف'' کہا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ بھی اسے ''ضعیف'' لکھتے ہیں۔(تقریب التهذیب : ٧٧٢٧)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: **والأكثر على تضعيفه** . ''اکثر محدثین نے اس کو ضعیف کہا ہے۔''

(مجمع الزوائد : ٢١٨/٤)

☆☆☆ اس میں امام زہری کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

بطورِ فائدہ عرض ہے کہ اس روایت میں دوسری تکبیرات کے ساتھ رفع الیدین کرنے کی نفی ثابت نہیں۔

دلیل نمبر ٢ : سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

انّ رسول اللّٰه صلّى اللّٰه عليه وسلّم كان يرفع يديه على الجنازة فى أوّل تكبيرة ، ثمّ لا يعود.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنازے پر پہلی تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرتے تھے، پھر دوبارہ نہ کرتے تھے۔'' (سنن الدارقطنی : ٧٤/٢، ح : ١٨١٤)

تبصرہ : اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، حافظ نووی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''ضعیف'' کہا ہے۔

(خلاصة الاحکام : ٩٨٤/٢)

١☆ اس کا راوی حجاج بن نصیر البصری جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں خود امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أجمعوا علیٰ ترکه .

''اس کے ترک پر محدثین کا اجماع ہو گیا ہے۔'' (الضعفاء والمتروکون : ١٧٤)

نیز فرماتے ہیں: ضعیف . ''ضعیف ہے۔'' (سنن الدارقطنی : ١٥٧/١)

امام ابوحاتم الرازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: منکر الحدیث ، ضعیف الحدیث ، ترک حدیثه ، کان النّاس لا یحدّثون عنه . ''یہ منکر الحدیث، ضعیف الحدیث ہے، اس کی حدیث کو ترک کر دیا گیا تھا، لوگ اس سے حدیث بیان ہی نہیں کرتے تھے۔'' (الجرح والتعدیل : ١٦٧/٣)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: سکتوا عنه . ''محدثین نے اس کی روایات کو ناقابل التفات سمجھا ہے۔'' (الکامل لابن عدی : ٢٣١/٢، وسندهٗ صحیح) امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔ (الکامل لابن عدی : ٢٣١/٢، وسندهٗ صحیح) امام نسائی رحمہ اللہ بھی ''ضعیف'' قرار دیتے ہیں۔

امام علی بن المدینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ذهب حدیثه . ''اس کی حدیث ضعیف ہو گئی ہے۔'' (الجرح والتعدیل : ١٦٧/٣) حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں: ضعیف ، کان یقبل التّلقین . ''ضعیف ہے، تلقین قبول کرتا تھا۔'' (تقریب التهذیب : ١٣٥٩)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ضعیف ، وبعضهم ترکه . ''ضعیف ہے، بعض نے اسے متروک کہا ہے۔'' (المغنی فی الضعفاء : ٢٣٧/١) حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: وقد ضعّفه الجمهور . ''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد : ١٢١/٨)

لہٰذا محدث البانی رحمہ اللہ کا ''احکام الجنائز'' (١٤٧) میں اسے ''ثقہ'' قرار دینا بہت بڑی خطاء ہے۔

٢☆ اس کا راوی الفضل بن السکن ''مجہول'' ہے، امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے ''مجہول'' کہا ہے۔ (الضعفاء الکبیر للعقیلی : ٤٤٩/٣) حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لا یدریٰ من ذا . ''معلوم نہیں کون ہے۔'' (المغنی : ١٩١/٢) نیز فرماتے ہیں: لا یعرف . ''معروف نہیں ہے۔'' (میزان الاعتدال : ٣٥٢/٣)

تنبیه : محدث البانی رحمہ اللہ نے ایک حیران کن بات کی ہے، لکھتے ہیں:

وسکت عنه ابن ترکمانی فی الجوهر النّقی (٤٤/٤) .

''ابنِ ترکمانی حنفی نے اس حدیث پر سکوت اختیار کیا ہے۔'' (احکام الجنائز : ١٤٧)

نہ معلوم علامہ البانی رحمہ اللہ کو یہاں کیا ہو گیا ہے، ابنِ ترکمانی متعصب تھے، ان کا سکوت مچھر کے پر

کے برابر بھی حیثیت نہیں رکھتا، فنِ حدیث میں ثقہ ائمہ ومحدثین کے بات مانی جاتی ہے، بعض الناس کا کسی حدیث پر حکم لگانا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

دلیل نمبر ۳ : **قال الامام ابن أبی شیبة : حدّثنا ابن فضیل عن عطاء عن سعید بن جبیر عن ابن عبّاس قال: ترفع الأیدی فی سبعة مواطن : اذا قام الی الصّلاة ، واذا رأی البیت ، وعلی الصّفا والمروة ، وفی عرفات ، وفی جمع وعند الجمار .**

''سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سات مقامات پر رفع الیدین کیا جاتا ہے: جب نماز کے لیے کھڑا ہو، جب بیت اللہ کو دیکھے، کوہِ صفا اور کوہِ مروہ پر، عرفات میں، مزدلفہ میں اور جمرات کے پاس۔''

(مصنف ابن ابی شیبة : ۲/۲۳۵۔۲۳۶)

تبصرہ : ۱☆ سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کے اس قول کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ عطاء بن السائب (حسن الحدیث) ''مختلط'' ہیں اور ابنِ فضیل نے ان سے اختلاط کے بعد روایت لی ہے۔

امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عطاء بن السائب راوی ''مختلط'' ہیں۔(الجرح والتعدیل : ۶/۳۳۴)

امام احمد بن حنبل، امام ابو حاتم الرازی (الجرح والتعدیل : ۶/۳۳۴) اور امام دارقطنی (العلل : ۵/۱۸۶، ۸/۲۸۸) رحمہم اللہ نے ان کو ''مختلط'' قرار دیا ہے۔

امام ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں: **وما روىٰ عنه ابن فضیل ، ففیه غلط واضطراب .**

''عطاء بن السائب سے جو کچھ ابنِ فضیل نے روایت کیا ہے، اس میں غلطیاں اور اضطراب ہے۔''

(الجرح والتعدیل : ۶/۳۳۴)

یہ جرح مفسر ہے، لہٰذا سند ''ضعیف'' ہے، اس قول میں قنوتِ وتر اور عیدین کے رفع الیدین کا بھی ذکر نہیں ہے، وہ کیوں کیا جاتا ہے؟

۲☆ ابوحمزہ (عمران بن ابی عطاء القصاب ثقۃ عند الجمہور) کہتے ہیں:

رأیت ابن عبّاس یرفع یدیه اذا افتتح الصّلاة واذا رکع واذا رفع رأسه من الرّکوع .

''میں نے سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کو نماز شروع کرتے، رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کرتے ہوئے دیکھا۔'' (مصنف ابن ابی شیبة : ۱/۲۳۹، وسندہٗ حسن)

اس روایت سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

(ا) سیدنا ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نماز میں رفع الیدین کے قائل تھے۔

(ب) نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کا رفع الیدین کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ منسوخ نہیں ہے۔

فائدہ : یہ روایت مرفوعاً بھی مروی ہے، لیکن اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، اس میں ابنِ ابی لیلیٰ راوی جمہور محدثین کے نزدیک ''**ضعیف ، سیّئ الحفظ**'' ہے، حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ضعیف ، سیّئ الحفظ . ''ضعیف اور خراب حافظے والا ہے۔'' (التلخیص الحبیر : ۲۲/۳)

حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

محمّد بن عبد الرّحمن بن أبی لیلیٰ سیّء الحفظ ، لا یحتج بہ عند أکثرھم .

''ابنِ ابی لیلیٰ خراب حافظے والا ہے، اکثر محدثین کے نزدیک قابلِ حجت نہیں۔'' (تحفة الطالب : ۳٤٥)

امام طحاوی حنفی نے اس کو ''**مضطرب الحدیث جداً**'' کہا ہے۔ (مشکل الآثار للطحاوی : ۲۲٦/۳)

انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کہتے ہیں: **فھو ضعیف عندی کما ذھب الیہ الجمھور .**

''وہ میرے نزدیک بھی ضعیف ہے، جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے۔'' (فیض الباری : ۱٦۸/۳)

۲☆ اس کی سند میں الحکم بن عتیبہ راوی ''مدلس'' ہے جو کہ ''عن'' سے روایت کر رہا ہے۔ امام عینی حنفی نے بھی اس کو ''مدلس'' کہا ہے۔ (عمدة القاری : ۲٤۸/۲۱) نیز دیکھیں اسماء المدلسین للسیوطی : ۹٦)

دلیل نمبر ٤ : امام ابراہیم نخعی ہر تکبیر کے ساتھ ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ (مصنف ابن ابی شیبة : ۲۹٦/۳)

تبصرہ : یہ نہ قرآن ہے، نہ حدیث، نہ قولِ صحابہ، نہ ہی قولِ ابی حنیفہ، یہ ایک مجتہد مسلمان کا قول ہے، جو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، سیدنا ابنِ عمر رضی اللہ عنہما اور سلف صالحین کے عمل کے خلاف ہونے کی وجہ سے ناقابلِ التفات ہے، دین نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کا نام ہے نہ کہ ان کے خلاف امتی کے اجتہاد کا۔

الحاصل : نمازِ جنازہ میں ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا سنت ہے، لہٰذا سلف صالحین کی طرح ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ اس سنت پر عمل کرے۔

☆☆.....☆☆.....☆☆